

## زرد زمانوں کا سویرا

"اے شان کون آیا ہے۔" وہ تھامبل عارقدانہ سے بولی حالانکہ پورے میں کھڑی ریڈ سیوک دیکھ کر دو اچھی طرح جان گئی تھی کہ کون آیا ہے۔

ساتویں کا اس میں زیرِ تعلیم ریمان بھائی کا بیٹا شان بہت عزیز تھا جیٹ بولا۔

"عطیہ پھوپھو کے سرال والے آئے ہیں۔"

"وہ تجھ بھی آیا ہے" رہاب رازداری سے منہ اس کے کان کے قریب لے جا کر بولی۔

"نہیں وہ تو آج نہیں آیا پر ایک لمبے بالوں والی مخلوق بھی آئی ہے شاید مرنے سے غزول ہوا ہے" شان سوچ میں ڈوبے ڈوبے بولا تو رہاب

نے ایک زوردار دھپ اس کی کمر میں لگا دی وہ ہلکا گیا۔

"قسم لے لو جو آج سجدہ کوئی بات تمہیں بتائی" وہ ناراض ہو گیا اتنے میں کل آئی اس طرف آگئیں۔

"یہ تم آتے ہی شروع ہو گئیں" انہوں نے شان کا پھولا پھولا منہ دیکھ لیا تو رہاب نے جیٹ بات بدل دی۔

"آئی آج گرمی اتنی زیادہ ہے" اس نے ماتھے سے ناید و پسینہ صاف کیا۔

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ تمہارا پیپر کیسا ہوا ہے؟"

"فرسٹ کلاس ہوا ہے، سنا ہے کہ انڈر کیٹ و فیسلٹ کے سرال والے آئے ہیں" وہ کھل کھلائی تو کل نے اسے گھورا۔

"خبردار رہاب کوئی بد تمیزی نہیں چلے گی" انہوں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سرزنش کی تو وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے اندر آگئی

آج ہی میٹرک کا آخری پرچہ دے کر آئی تھی سوچ رہی تھی کہ جی بھر کر امتحانوں کا بوجھ اترنے کی خوشی میں سوئے گی اور انجوائے

منٹ کا کیا زبردست طریقہ باتچہ آیا تھا۔

تائی اماں کی چھوٹی صاحبزادی عطیہ کے سرال والے اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے خاص طور پر اس کا تیسرے نمبر والا دیوہر عاقب اسے

انتہائی فضول لگتا تھا جب بھی آتا کل آئی کو گھور گھور کر دیکھتا جیسے سالم ہی لگس لے گا گزشتہ مہینے اس نے سر کے بال صاف کر دائے تھے اب وہ سر پر

اہتمام سے پرندہ روباہل باندھ کر آتا رہاب نے اس کا نام "تجو" رکھا تھا عطیہ کا نام کیٹ و فیسلٹ رکھا تھا بد قسمتی سے یا کہ خوش قسمتی سے اللہ نے انہیں

شہری ہال اور گودی رنگت دی تھی وہ اس پہ بہت اکثرتی تھیں خود کو کسی ہالی ووڈ کی ہیروئن سے کم تصور نہیں کرتی تھیں اس لیے رہاب نے ان کا نام کیٹ

و فیسلٹ رکھا ہوا تھا جبکہ عطیہ کی ساس اس عمر میں بھی جبکہ وہ تائی اور دادی بھی تین چکی تھیں خوب نئی سنو دی رہتی تھیں اس لیے رہاب نے انہیں

"ہیروئن نمبرون" کا خطاب دیا تھا۔

ان کے گھر کا ہر فرد ہی خوب تھا۔ عطیہ کی بڑی نند ایک انگش میڈیم سکول چلاتی تھیں جب بھی آتیں ہوں سنبھل سنبھل کر بیٹھتی تھیں جیسے شیشے کی بنی ہوں ذرا سی ننھیں لگتے سے ٹوٹ جائیں گی ان کا نام رہا ب نے "چینی کی گڑیا" رکھا تھا وہ لاکھ ان کے قہقہے کرتے بے ہنگم سراپے پر یہ نام سوٹ نہیں کرتا تھا۔ کپڑے بدل کر کھانا کھائے بغیر ہی وہ نظر بچا کرتا ہی رقیہ کے ڈرائنگ روم میں گھس گئی کچن کی طرف سے بڑی زبردست خوشبو نہیں اٹھ رہی تھیں اس کا مطلب یہ تھا کہ کھانا آخری مراحل میں ہے اسے دیکھتے ہی تائی اماں کی بڑی صاحبزادی عریشہ جو شادی شدہ تھیں کے ماتھے پر کٹی ٹل پڑ گئے رہا ب بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی جھوٹ بڑے ادب سے مہمانوں کو فردا اسلام کیا لے باؤں وہاں حلقوں کو اس نے بڑے جوش سے سلام کیا تو وہ بھی جو اسے غور سے دیکھ رہا تھا جھوٹ بولا۔

"یار ادھر میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" شارٹ کٹ بالوں نیلی حیر اور سفید کرتے میں ملیں وہ اسے کوئی نو عمر سالہ لڑکی سمجھا تھا۔

"معاف کیجئے گا میں یار نہیں یاری ہوں۔" وہ عطیہ کی تند کے قریب بیٹھ گئی بے چارہ اندھان کھیا نی سے ہنسی ہنسنے لگا۔ رہا ب اپنا ہیٹ کے تمام تر ریکارڈ توڑتے ہوئے بیرون نمبروں کے بی بی پی بالی ہونے کی شکایت کرنے پر اس کا عاج اور مشورے بتا رہی تھی چینی کی گڑیا اسے پسند یہ دنگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔

جب صوبہ بھائی کھانا لگنے کا کہنے آئیں تو "آئیے آئیے" کہتی ڈرائنگ ہال میں سب سے پہلے پہنچنے والی رہا ب تھی تائی امی اور عریشہ کے منہ کے زاویے بار بار بگڑ رہے تھے اور رہا ب سوچ رہی تھی کہ تائی رقیہ اور عریشہ آپنی کو انگش ہار قلموں میں زبردست رول مل سکتا ہے۔

"یہ ممکن پلاؤ لیس ڈاں عطیہ آپنی نے بتایا ہے اور یہ کوفتے چکھ کر دیکھیں ایمان سے حرا آجائے گا" رہا ب نے پلاؤ کو کوفتوں کی ڈش بیرون نمبروں کی طرف بڑھائی جیسے ہی انہوں نے تھوڑے سے چاول اور ایک کوفتہ پلیٹ میں ڈال کر رہا ب نے اس کے بعد فوراً ہی اپنی پلیٹ کناروں تک بھر لی بڑی فراخ دلی سے کوفتے اور کباب چاولوں پر چھائے۔ تائی اور عریشہ بڑی مشکل سے رکھی ہی منکر اہٹ ہونٹوں پر بھائے بیٹھی تھیں۔

عطیہ کے سسرالی اپنا گھر سمجھ کر بڑی بے تکلفی سے کھارہے تھے اور وہ پوری طرح ان کا ساتھ دے رہی تھی مگر بعد اسیا مزیدار کھانا ملا تھا اگر کھل آپنی یہاں ہوتیں تو آنکھوں آنکھوں میں اسے سرزدش کرتیں اس نے شکر کیا کہ کھل آپنی اس کی یہاں موجودگی سے لاطم ہیں وہ کھانا آخری مراحل میں چھوڑ کر اپنے پورشن میں چلی گئی تھیں رہا ب کے برعکس وہ بڑے صبر و شکر والی تھیں کھانے پینے کے معاملے میں کبھی اندیدوں کا سامنا براہ نہیں کیا جو ملا کھا لیا جو یا پہن لیا۔ رہا ب کا ہیٹ تو بھر گیا تھا بس اب وہ ایسے ہی کھانا خراب کر رہی تھی فیرفی کا ڈونگا اس نے لبالب بھر رکھا تھا۔

"آپنی یہ فروٹ ٹرائٹنگ بھی عطیہ آپنی نے بتایا ہے" چینی کی گڑیا سے اس نے سفید جھوٹ بولا۔

"بہت حریدار بھی بہت مزیدار" بیرون نمبروں کھاتے ہوئے بمشکل بولیں۔

"سچ آئی آپ کے تو مزے آجائیں گے عطیہ آپنی روز آپ کو مزے مزے کے کھانے کھائیں گی ہمارا کیا بنے گا" وہ چن چن کر ٹرائٹنگ میں سے پھلوں کے ٹکڑے کاٹنے میں پھنسا کر کھارہی تھی رقیہ کا دل چاہ رہا تھا اسے کچا چا جائیں۔

"باقی اپنے کمرے میں جا کر کھاؤں گی" رہا ب نے اپک پلیٹ میں چار کوفتے اور چار ہی کباب ڈالے اور اٹھ کھڑی ہوئی اس کی اس

حرکت پر ڈانٹنگ نیکل پر بیٹھنے کھانا کھاتے کچھ افراد کے چہرے پر غصے بھری سرفی پھیل گئی تھی۔

"بڑی دلچسپ لڑکی ہے" لمبے بالوں والے نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

"یہ لیس آپنی اور امی کھائیں مزے اڑائیں" رباب نے پلیٹ ان کے آگے دھری تو دونوں ماں بیٹی انہیں سے دیکھنے لگیں۔

"کہاں سے لائی ہو" عمارہ بولیں۔

"امی تائی امی نے خود دیے ہیں" اس نے نظر بچا کر جھوٹ بولا تو دونوں کو ہی یقین نہیں آیا۔

"کہیں کچن سے اڑا کر تو نہیں لائی ہو" کل آپنی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"اڑا کر کیوں لاؤں گی اس کھانے میں میرے باپ کا بھی حصہ ہے سب کے سامنے لائی ہوں" رباب کی آواز اونچی ہو گئی اس نے خود ہی

اپنا کارنامہ بتا دیا وہ دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"رباب جیسے تم سے اس حرکت کی امید نہیں تھی ویسے بھی ہم کھانا کھا چکے ہیں جاؤ یہ پلیٹ واپس کر آؤ" کل ہمیشہ کی طرح آرام سے بولیں۔

"واپس تو نہیں ہوگی یہ" وہ مضبوطی سے بولی اور شور و رسم کی طرف چلی گئی۔

مہمانوں کے جانے کے بعد تائی برقیہ اور عریضہ ان کے پورشن کی طرف آئیں۔

"ماں کی عادت بیٹی میں بھی ہے بتا دیاں آخر سب کو کہ ہمارا تعلق بھوکے ننگے نکھال سے ہے اے بی ذرا اپنی بیٹی کو تیز ہی سکھادی ہوتی

اتنی بڑی ہو گئی ہے پر عقل تو تیز تو چھو کر نہیں گزری اے خیر وہ بھی کیا کرے خون کا اثر ہوتا ہی ہے۔" وہ کبھی جھکتی چلی گئیں عمارہ بستر پر ڈھ سے گئیں یہ

بے عزتی یہ تو جین آئے دن کا معمول تھی انہیں تو بہانے چاہئے ہوتا تھا اور رباب ایسے بہانے خوش قسمتی سے انہیں وافر مقدار میں فراہم کر دیتی تھیں۔

"امی اچھوڑیں بھی" کل کی آواز انہیں ڈھارس دیتے ہوئے خود بھیک رہی تھی۔

"کل یہ کیوں ایسے کرتی ہے کیوں میز استحسان لیتی ہے، اے کہہ دو مجھ میں ایسے استحسان دینے کی سکت نہیں رہی ہے کل اسے سمجھاؤ

میرے دل سے یوں نہ کھیلے" عمارہ رو رہی تھی۔

"امی کہوں گی میں اسے بس آپ نہ روئیں مجھے تکلیف ہوتی ہے" انہوں نے ماں کے آنسو صاف کئے۔ وہ شکر کر رہی تھیں کہ رباب یہاں

نہیں ہے ورنہ اس نے تو تائی کو دو بدو جواب دینے تھے اور امی کی حالت اور بھی خراب ہو جاتی تھی وہ پہلے ہی بلڈ پریشر کی سرینہ تھیں اور رباب تو کل کا

الٹ تھی وہ سر جھکا کر ہر بری بھلی سن لیتی تھی پر یہ رباب تھی جو سینہ پھٹا کر کبھی میں پیا کا پینا ہوں پینا سب سے بدلہ لوں گا۔ اب اسی کی وجہ سے تائی اتنی

باتیں سنا گئی تھیں۔ وہ روز ہی جو بھی گھر میں پکا ہوتا تھا کھا لیتی تھی ہاں جس روز تائی یا چچی کے گھر کوئی مہمان آتا اس روز رباب اپنے پوزیشن میں تھمتی ہی

نہیں۔ بڑے باپ یعنی فضل کمال نے بڑے تینوں بیٹوں کی شادیاں اپنے ہم پلہ گھرانوں میں کیں سب سے چھوٹے بیٹے اسد کی شادی انہوں نے نسبتاً

کتر گھرانے میں کی تھی ان کا خیال تھا کہ شاید مل کا اس سے لائی گئی بہو باتیوں سے مختلف ہو اور واقعی ایسا ہوا عمارہ نے اپنے حسن سلوک اور خدمت

سے سسر اور شوہر کا دل جیت لیا تھا ان کی جیٹھانیاں جل کر کوئلہ ہو گئیں ان کا خیال تھا کہ فضل کمال ساری جائیداد چھوٹے بیٹے کے نام کریں گے اسی

وجہ سے تینوں ہمد وقت عمار کو یہ جگہ ملا تھی کہ تم ہم سے کتر ہو تم اہلی خانہ انوں کی پڑھی لکھی خواتین ہیں تم نچلے درجے کی ہو، نخل میں ٹاٹ کا پیوند وغیرہ وغیرہ وہ ایسی ہی دل جھانے والی باتیں کرتی رہتیں اسی دوران نخل پیدا ہوئی نخل کے ساڑھے چھ سال بعد رہا باب پیدا ہوئی۔ بڑے اما دونوں پوتیوں خاص کر رہا باب سے بہت لاڈ کرتے تھے اور پیار سے اسے طوطا کہتے وہ باتیں جو بہت کرتی تھی۔

رہا باب سات سال کی تھی جب بڑے اما نے ان کا ساتھ چھوڑا ان کے بعد اسد بھی فوت ہو گئے اور عمارہ کا واحد جوان بھائی بھی مارا گیا پنے درپے پریشانیوں کا اتنا ہار کھڑا ہو گیا عمارہ کو احساس ہوا کہ فضل کمال اور اسد ڈھال تھے۔ ان کے نہ ہونے سے خلا سا پیدا ہو گیا تینوں بیٹھائیوں کی مخالفت پر ممتی جاری تھی عمارہ بڑی صابر و شاکر عورت تھیں کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا اس لیے وہ اور بھی شیرینی ہوتی تھیں وہ سب کے بدلتے تیور دیکھ رہی تھیں شوہروں نے بھی بیویوں کو نہیں روکا پہلے تو وہ چھپ چھپا کر ڈھکے چھپے انداز میں عمارہ کو اس کی حیثیت یاد دلاتیں پھر فضل کمال اور اسد کی موت کے بعد ان کا رہا سہا لٹا بھی ختم ہو گیا۔

اسد کے نام فیکٹری کا انتظام پاور آف انارنی کے ذریعے بڑے جینٹل زائد کمال کے سپرد کر دیا گیا ان کی یہ ضد تھی کہ پاور آف انارنی میرے نام ہونی چاہئے عمارہ بری طرح مجبور تھیں انکار کر کے یہاں سے در بدر نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ زائد ہر ماہ انہیں لگی بندھی قلیل ہی رقم دیتے جوں جوں نخل اور رہا باب بڑی ہو رہی تھیں یہ رقم کم ہوتی جا رہی تھی ان کا کہنا تھا کہ فیکٹری خسارے میں جا رہی ہے میں اپنا سرمایہ لگا کر اسے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر وہ قائلین اور خیالات کے موٹے موٹے رجسٹراٹھا کر لے آتے کہ بھابی پڑھ لیس جو میں نے ایک پیسے کی بھی بے ایمانی کی ہو معمولی سی پڑھی لکھی عمارہ ان وحید و گورکھ چندوں کو کہاں سمجھ سکتی تھیں ان کا شرمندہ ہو جاتا تھا ایسے میں رقیہ یہ کہنا نہ بھولتیں کہ:

”آپ فیکٹری کے انتظامات عمارہ کو دوا پس کر دیں ہم ان کے ٹوک نہیں ہیں محنت کر کے خون پسینہ بہائیں اور مجرم بھی ٹھہریں۔“

پھر انہیں ہی منتیں کر کے جینٹل اور بیٹھائی کو منا پڑتا۔ فضل کمال کی زندگی میں سب لوگوں کا کھانا ساتھ پکنا ان کی موت سے کچھ عرصہ بعد عمارہ کو ہدایت ملی کہ تم اپنا چوکھا لگ کر ساتھ ہی ان کی رہائش بھی تہذیب ہو گئی شوروم کے ساتھ جو کمرہ تھا وہ ان تینوں ماں بیٹیوں کے حوالے کر دیا گیا عمارہ نے اسے نقد بر کا فیصلہ جان کر قبول کر لیا تھا نخل جو پہلے ایک اچھے اور مشہور تعلیمی ادارے میں پڑھتی تھی بعد میں ایک معمولی سے سکول میں آ گئی فیکٹری روز بروز خسارے میں جو جا رہی تھی۔ تمام کزنز کا سلوک ان دونوں بہنوں کے ساتھ غلاموں اور اچھوتوں والا تھا عمارہ تو کسی کنتی میں ہی نہیں تھیں۔ نخل سکول سے واپس آنے کے بعد تائی کے بارے پر کچن میں چلی جاتی جہاں بہت سے کام اس کے منتظر ہوتے سکول سے کالج میں آتے ہی کاموں میں اضافہ ہو گیا تائی کے ساتھ ساتھ دونوں بچیاں بھی اس پر انحصار کرنے لگی تھیں باورچی خانے کا تمام نظام نخل کے سپرد تھا بڑے تینوں بھائیوں کے خاندانوں کا کھانا پہلے کی طرح ایک ہی جگہ پکنا تھا۔

بکس باورچی خانے میں ٹھسی پلاؤ کو دم دے رہی تھی جانے رہا بکس کو کس نے بتایا کہ بکس پلاؤ پک رہا ہے وہ سیدھی بکس میں چلی آئی بکس پلاؤ کو دم دینے کے بعد چلی گئی تھی رہا بکس نے سٹول اٹھا کر بکس کاؤنٹر کے قریب رکھا اور اوپر چڑھ کر بکس کاؤنٹر اتارنے لگی اسی اثنا میں بکس کا ادھر سے گزر رہا وہ رقیہ کو بھی بلالائیں اندر کا منظر کچھ یوں تھا۔ آٹھ ساڑھے آٹھ سالہ رہا بکس ادھ گئے چاول کاؤنٹر پر تہی ڈالے حرے سے سٹول پر چڑھے کھارہی تھی رقیہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پوری قوت سے رہا بکس کو لگا تاڑکی طمانچے مارے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیوں ہو رہا ہے وہ تو اپنے پسندیدہ چاول کھارہی تھی اور جی سی جی میں اپنی اس شرارت پر خوش ہو رہی تھی۔ کاؤنٹر کی دیوار سے اس کا سر ٹکرایا تو سر سے خون کا فوارہ چھوٹ گیا عمارہ رہا بکس کی چٹیں سنتی بھاگی بھاگی آئیں پیچھے بکس کا گھبراہٹا ہوا چہرہ تھا۔

”اٹھاؤ اس حرام خورد کو، یہاں بھی بے برکتی دکھانے آگئی کل سے اگر اسے بکس میں یا آس پاس بھی دیکھا تو خیر نہیں ہے“ رقیہ غیض و غضب میں بھری ہوئی تھیں عمارہ اور بکس دونوں رہا بکس کو لے کر آگئیں اس روز بکس نے رات کو پہلی بار بتایا ہے پیسے مانگے جھوٹ بول کر۔

”تایا اب اس نے شوز لینے میں بالکل پھٹ گئے ہیں اب اوکاٹ میں پہننے کے لائق نہیں رہے“ بکس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اسے بے حد شرمندگی اور خوف محسوس ہو رہا تھا کیونکہ عمارہ نے اسے سچ بولنے کی تلقین بچپن سے ہی کی تھی۔

”تو کوئی اور بہن جاؤ کاٹ میں سب چلتا ہے“ وہ بے نیازی سے سامنے رکھے اخبار کو ادھر ادھر کرنے لگے۔

”تایا اب اتنی پرہیزگار آئی ہیں بہت سخت اور انکم و سنبھل کی پابند ہیں“ کہتے کہتے بکس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کیونکہ یہ واقعی سچ تھا۔

”اچھا یہ روٹا دھو کا بند کرو اور بیکل سے شوز خرید لینا“ انہوں نے ایک سوئس روپے اس کے ہاتھ پر رکھ دی دیئے بکس آنکھوں میں ڈھیروں جگنوں چھپائے پیسے منظمی میں دبائے اپنے کمرے میں آئی کل پانچ گھنٹے تھی عمارہ کو گھر کا سودا سٹاک خریدنے بازار جانا تھا ان کے پاس صرف اتنے پیسے ہوتے تھے کہ وہ وال مرچیں، چینی بقی ہی بھٹکل خرید پاتیں۔ گوشت مرغی خریدنے کی استطاعت ہی نہیں تھی۔ عمارہ جب شور سے باہر نکلی تو بکس نے وہ پیسے ماں کی منظمی میں تھما دیے۔

”امی کل میں نے تایا اب سے لیے تھے ان روپوں کی ایک ٹکڑی اور چاول خرید لیتے ہیں رہا بکس کو اچھے جو لگتے ہیں“ اس کے لہجہ میں بہن کے لیے بے پناہ محبت تھی۔

”کیسے دے دیئے ہیں انہوں نے یہ پیسے“ عمارہ ذابہ کی فطرت سے آٹھ تھیں اس لیے ان کا سوال بھی فطری تھا۔

”امی جھوٹ بول کر لیے تھے“ بکس کی پیشانی بوئندوں سے چمکنے لگی۔

”کب تک جھوٹ بول بول کر اس کی خواہشوں کو پورا کرو گی“ انہوں نے سخت لہجہ اپنایا۔ یہ اچھا ہوا کہ اس سے ناراض ہونے کے باوجود انہوں نے مرغی اور چاول خرید لیے پر رہا بکس نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اینڈ تیج کئے ہوئے سر کے ساتھ دو چپ چاپ بستر پر لیٹی رہی دو دنوں نے سستی ختم کیس تو ڈرے سے کھاؤ تمہاری پسند کا لیک چیں بھی ہے مگر رہا بکس نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں عمارہ کو اس کی خاموشی سے بڑا خوف آیا۔

اب وہ سمجھدار ہو رہی تھی اور نویں کلاس میں آگئی تھی اس کی سوچوں میں انقلاب آگیا تھا ایک روز بے خیالی میں عمارہ کے منہ سے نکل گیا۔  
 "کاش ایک بیٹا ہی ہوتا" یہ جملہ یہ خواہش، یہ حسرت نیزے کی انی کی طرح رہا ب کے دل میں پیوست ہو گئی وہ شام کو مسز سجان کی بہو سے اپنے لیے بال کنوا آئی تھیں اور عمارہ کو اس کا اشارت باب کٹ اسٹائل بالکل ہضم نہیں ہو رہا تھا اتنے خوبصورت بال تھے اس کے لیے چند آرٹیم سے۔ شزاء اور حمد تو تاک میں رہتی تھیں کہ جانے وہ کیا استعمال کرتی ہے جو اس کے بال ایسے ہیں اس کے بال بڑھتے بھی تو بہت جلدی تھے چھ چار ماہ بعد کل اس کے بال تھوڑے تھوڑے کاٹ کر برابر کر دیتی جب اس کے بال کھلے ہوتے اور جب وہ پھٹی تو ہر قدم کے ساتھ جب وہ بگورے لیتے تو نہایت حسین لگتے اسد کو تو رہا باب کے بال بہت پسند تھے عمارہ کو سختی سے کہا تھا کہ اس کے بال مت کنوا اور آج وہ خود ہی کنوا کر آگئی تھی ذرا دیر میں اس نے پیراوا بھی بدل لیا سفید کرنا اور نیچو کی نیلی، جینر جسے وہ ٹھکرا چکا تھا رہا باب کے جسم پر نظر آ رہی تھی ایک دم ہی وہ لڑکی سے لڑکا لگنے لگی تھی مگر بھر کو اس تبدیلی کی خبر ہو گئی سب نے مذاق اڑایا مگر رہا باب نے کسی پر بھی توجہ نہیں دی۔

پھر اسے کرائے سکھنے کا شوق ہوا کئی دن عمارہ اور کل کے آگے پیچھے گھومتی رہی کہ داخلہ و لواؤ کوئی نہ کسی طرح بات زائد تک پہنچی مئی انہوں نے اسے طلب کر لیا تمام گھر جمع تھا سب بال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جب وہ انداز میں ہر اٹھائے اندر داخل ہوئی۔  
 "کیوں رہا باب یہ میں کیا سن رہا ہوں تم کرائے سکھنا چاہتی ہو۔" وہ اس کے اس انداز کو ہضم نہیں کر پارہے تھے۔  
 "جی تایا بابا مجھے شوق ہے کرائے سکھنے کا، ایک ماہ کی فیس پانچ سو روپے ہے اور ایڈمیشن فیس ایک ہزار ہے" اس نے اعتماد سے بتایا تو رقیہ کھول سی گئیں۔

"کیوں تم نے چودوں ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہونا ہے جو کرائے سیکھو گی" انہوں نے غصے سے اسے دیکھا۔  
 "تایا بابا چور ڈاکو کرائے نہیں سیکھتے اس مقصد کے لیے ان کے پاس کلاشکوف اور ریوا اور ہوتے ہیں۔" وہ سکون سے بولی تو زائد کمال کا پارہ چڑھ گیا۔ "عمارہ عمارہ" انہوں نے آواز دی وہ ڈرتی ڈرتی آگے آئیں۔ "یہی تربیت کی ہے تم نے اس کی، بڑوں سے بات کیسے کی جاتی ہے اسے سیکھاؤ۔" انہوں نے بات ہی ختم کر دی۔

بس یہیں سے وہ بد لحاظ اور ضدی ہو گئی تھی رقیہ کے آگے بولنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی پر رہا باب تو ان کے آگے چیخ چیخ کر بولتی بڑی چچی اور چھوٹی چچی بھی اس کے بدلتے تیروں سے خائف رہنے لگی تھیں دو کالر جھاڑ کر کہتی "میں بیٹا ہوں بیٹا اپنے چپا کا۔"

کل نے بی ایس سی کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا اسے ہوم اسائنمنٹس میں ماسٹر کا شوق تھا تایا نے صاف صاف کہہ دیا کہ ٹیکسٹری سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی میں تمہیں ہوم اسائنمنٹس جیسی میجنگ تعلیم کیسے دلاؤں؟ ہوم اسائنمنٹس کی تعلیم اتنی میجنگ نہیں تھی کم از کم ایم بی اے سے تو میجنگ نہیں تھی انہوں نے فہم کو ایم بی اے کے لیے باہر بھیجا ہوا تھا کسی میں ہمت ہوتی تو کہتا کہ لاکھوں کروڑوں کی لگانائی گئی شوگر مل سے اتنی آمدنی بھی نہیں ہوتی کہ تعلیم کا خرچہ ہی پورا کر سکے پر یہ ہمت کرتا کون کل اور عمارہ اتنی بہادر نہیں تھیں رہا باب اس وقت بہت چھوٹی تھی اپنے آپ میں ٹکمن اور لا پر دار رہا باب برسی ہادش اور گر جتے بادلوں میں چوزے کی طرح ماں کی آغوش میں دبک جاتی اس کے محسوس ذہن میں بڑے بابا اور چپا کی موت کا منظر تازہ تھا۔

وہ ایک جمل تھل برسات کا روز تھا بادل گرج رہے تھے بجلی پوری شدت سے چمک رہی تھی جڑے ہاؤسز کو گرنے لگے رہا بڑا دمے میں تھی وہ واش مین کی طرف جاتے جاتے ڈبرے ہو گئے بادل گرجے وہ زمین پر گر پڑے اس نے چیخ کر گھٹنوں میں سر چھپا لیا سب اندر سے بھاگتے ہوئے نکلے تب تک بڑے ابا ٹھنڈے ہو گئے تھے اچانک دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ چاکی وفات کے دن بھی بادل گرج رہے تھے یہ دونوں پوری بد صورتیوں کے ساتھ اس کی یادداشت کے خانے میں محفوظ تھے اس کے بعد جب بھی بارش ہوئی، بجلی چمکی، بادل گرجے رہا ب کی حالت قابل رحم ہو گئی وہ سارا سارا دن عمارہ یا تھل سے لگی بیٹھی رہتی ایک ہل کے لیے بھی پاس سے نہ بنے دیتی خود بھی ڈرتی اور انہیں بھی ہولاتی۔

عمارہ بہت پریشان تھیں سبز بخاری جوان کے پڑوس میں رہتی تھیں انہوں نے مشورہ دیا کہ رہا ب کو کسی ماہر نفسیات کو دکھائیں انہوں نے ایک دوبارہ گھر لے اخراجات کم کر کے یہ بھی کر کے دیکھ لیا مگر مسئلہ جوں کا توں رہا جب بھی بارش ہوتی رہا ب آنکھیں بند کئے بستر میں دبک جاتی۔ عمارہ نے ایک بار دینی زبان سے زاہد سے کہا کہ اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں انہوں نے ہمیشہ کی طرح اخراجات کی زیادتی کا رونا رویا فیکٹری کے خسارے کا بتایا ساتھ اپنا احسان جتایا کہ میں نے اپنے شیئرز کا کل کر فیکٹری میں لگائے ہیں تاکہ اس کی ڈیوٹی ساکھ کو کچھ تو سہارا ہو۔ عمارہ چپ ہو گئیں۔ اس روز وہ بہت روئیں بیٹی کا معاملہ تھا اس کی شادی بھی کر لی تھی ادھر تینوں جیٹھانوں نے رہا ب کو "نفسیاتی مریشہ" کہنا شروع کر دیا تھا جو بھی گھر میں آتا عمارہ کو ہنزدانہ مشورے دیتا اور تاسف کا اظہار کرتا۔

گھر میں سب لوگوں کو علم تھا کہ رہا ب کے ساتھ یہ مسئلہ ہے اس کے بعد تو سب رشتہ داروں کو بھی علم ہو گیا کہ رہا ب کے ساتھ نفسیاتی مسئلہ ہے خود عمارہ کے بہن بھائی اس واقعے کے بعد رہا ب سے کترانے لگے تھے کم فنی اور لاطمی کے باعث ان کا خیال تھا کہ یہ بیماری ان کے بچوں کو بھی لگ جائے گی حالانکہ یہ خالصتاً ذہنی مسئلہ تھا۔ عمارہ نے خود ہی آہستہ آہستہ ہر جگہ آنا جانا کم کر دیا تھل اور رہا ب کو تو ساتھ لے کر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا بھائی کی موت کے بعد انہوں نے بھائی کے گھر جانا بھی ختم کر دیا اگر رہا ب بھی ان کے ساتھ جاتی تو وہ فوراً اپنے بچوں کو ادھر ادھر کر دیتیں۔ دو بہنیں تھیں جو گاؤں میں اپنے ہی جیسے لوگوں میں بچا ہی ہوئی تھیں ان کے سسرال والے پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ میکے والوں سے زیادہ میل جول رکھیں عمارہ کی شادی اونچے گھرانے میں ہوئی تھی اس وجہ سے وہ احساس کمتری کا شکار رہتی تھیں سسر اور شوہر کی وفات کے بعد اس اونچے گھرانے کا بھی پول کھول گیا۔ چالیسویں پر عمارہ کی جیٹھانیاں جس تحقیرانہ طریقے سے اس سے پیش آ رہی تھیں یہ عمارہ کی دونوں بہنوں کے لیے بڑا طمانیت بخش تھا اندر لگی حسد کی آگ پر کچھ مرو پانی کے چھینٹے پڑے وہ بہن سے ملنے جلنے میں محتاط ہوئی تھیں۔

جس مکان میں عمارہ کی سب بہن بھائی شادی سے پہلے رہتے تھے وہ فروخت کر دیا گیا رقم بھائی اور بہنوں کے حصے میں آئی عمارہ کو پھوٹی کوڑی تک نہ ملی وہ سب عمارہ کے ٹھاٹھ دیکھ کر اندر ہی اندر چلتی تھیں وہ اس بات کی قائل تھیں کہ جو تارے پاس نہیں ہے وہ کسی اور کے پاس بھی نہیں ہونا چاہئے۔ یوں وہ ہر طرف سے اکیلی ہو گئیں جو کرنا تھا خود کرنا تھا فیکٹری شوہر کے بھائی کے پاس تھی وہ خود سنو روم میں فٹھل ہوئی تھیں ان کی بیٹیاں عام تعلیمی اداروں میں پڑھ رہی تھیں عمارہ کو اب تعلیم کی اہمیت کا شدت سے احساس ہوا تھا تینوں جیٹھانیاں اپنی تعلیم یافتہ تھیں بس ایک وہی تھیں جنہوں نے واجبی تعلیم حاصل کی تھی وہ تھل اور رہا ب کو..... ہر ممکن تعلیمی سہولت مہیا کرنا چاہتی تھیں۔

بی ایس سی کے بعد کل گھر میں ہی سلائی کتر حائی کا کام کرنے لگی کاموں میں مصروف رہ کر اپنے تئیں وہ اپنی خواہشوں اور خواہیوں کو مار رہی تھی مگر کاش خواہیوں کو مارنا اتنی ہی آسان ہوتا تو سب خواب دیکھنا چھوڑ دیتے۔ عمارہ بھی ہلند پریشی مریضہ بن گئی تھیں۔ پریشانیوں کی وجہ سے وہ اپنی اصل عمر سے کئی گنا بڑی نظر آتی تھیں جبکہ ان کے مقابلے میں رقیہ رفعت اور آمنہ نے خود کو خاصا مین ٹین کر رکھا تھا۔..... قیمتی کپڑوں میں ملبوس نہیں سی جیولری پہنے، ہال بنائے، منت بنے پر ٹیوٹ میں نہائی وہ واقعی اس اعلیٰ خاندان کی بہوئیں لگتی تھیں جبکہ خود عمارہ تھکے تھکے پڑ مردہ چہرے، چلبے کپڑوں اور اچھے ہالوں میں مل جل کر اس طبقے کی عام سی عورت لگتی تھیں جن کی پوری زندگی پریشانیوں اور مسائل کے خلاف لڑتے لڑتے قلم ہو جاتی ہے۔

بجل اور رہا باب کے کپڑے جو تے بھی سیل سے خریدے جاتے تھے انہیں جب بھی کوئی کپڑا جو تاپا سوٹر شال خریدی ہوتی تو اس کے لیے سیل کا انتظار کرنا پڑتا جبکہ کھانے پینے کی اشیاء بھی وہ دوسرے بلکہ تیسرے درجے کی لاتی تھیں تاکہ مہینہ آرام سے گزر سکے۔ اس کے باوجود بھی رقیہ رفعت اور آمنہ طعنے دینے سے باز نہیں آتی تھیں عمارہ اور ان کی بیٹیوں کا وجود انہیں گوارا نہیں تھا۔

آمنہ نے اچھے اچھے بیٹھے بچہ عمارہ کو یہ طعنے دینے شروع کر دیے کہ بجل کی اتنی عمر ہو گئی ہے ابھی تک اس کا ایک رشتہ بھی نہیں آیا ہے بجل کی عمر بائیس تیس سال کے قریب تھی حالانکہ آمنہ کی اپنی بیٹی جو بجل سے پورے چار برس بڑی تھی اس کی شادی گزشتہ سال ہی ہوئی تھی عریضہ اور مومو کا خیال تھا کہ چلو بجل پر کوئی تو ترس کھا کر شادی کر لے گا مگر باب پر کوئی تمہارے کا بھی نہیں یہ سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی وہ پوری طرح تیار ہو کر میدان میں اتر آتی تھی اپنی ذات کی بے عزتی اس نے برداشت کر لی تھی بجل آپنی کے لیے تو اس کو ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں تھا۔

”میں خود ہی کسی پر نہیں تمہو کوں گی کوئی شادی کی نیت سے میری طرف آنکھ اٹھا کر تو دیکھے میری آپنی کے لیے ”شہزادہ آئے گا شہزادہ“ وہ کر پر ہاتھ رکھے لڑاکا عورتوں کی طرح زور زور سے بول رہی تھی۔

”کوئی شادی کی نیت سے تمہاری طرف جب آنکھ اٹھا کر دیکھے تو ہمیں بھی بتانا گیند زور لڈ بک میں چھوادیں گے اور بجل صاحب کے لیے جب شہزادہ آئے گا تو اس کے دیدار ہمیں بھی کرادینا“ مومو تنہا بولی جب سے اس کی شادی ہوئی تھی وہ خود کو توپ شے تصور کرنے لگی تھی اس کا سسرال بھی بڑا زبردست تھا شوہر دینی میں سونے کا کاروبار کرتا تھا ای لیے اس کی گردن اکڑی ہی رہتی تھی عریضہ کم نہیں تھی منت بنے سوٹ اور جیولری پہن کر میکے آتی اور اپنے تئیں سب کو جلاتی۔

عطیہ کے سسرال والے اپنے لیے ہالوں والے بیٹے کے لیے لڑکی کی تلاش میں تھے آمنہ اور رفعت نے رقیہ سے کہلوایا کہ گھر میں تین لڑکیاں افشاں، عمارہ اور اسماء موجود ہیں جس کو چاہیں پسند کر لیں کیونکہ لیے ہالوں والا گرین کارڈ ہولڈر تھا یعنی اچھی خاصی مونی آسامی تھا، رفعت کی نظر عاقب پر اپنی افشاں کے لیے تھی۔

آج عطیہ کے سسرال والے پھر آ رہے تھے وہ پہلے بھی سرسری طور پر لڑکیاں دیکھ چکے تھے اب بطور خاص سہ من کے بڑا وے پر تشریف لا رہے تھے وہ جب بھی آتے اپنے ساتھ گویا پوری بارات لاتے، بیچاری صومبہ پکاتے پکاتے عاجز آ جاتی عطیہ تو کسی کام کو ہاتھ بھی نہ لگاتی اسے اپنے گورے گورے ہاتھ کے ناخن کیونکس سے بچ رہے تھے بہت عزیز تھے بقول اس کے:



"میرے ہاتھ مارن مہرو سے ملتے جلتے ہیں۔"

ایسے میں کل ہی کام آتی تھی آج بھی صبح سے صوبہ بھابی کے ساتھ لگی ہوئی تھی چھوٹے موٹے کام خانہ ماں بننا رہا تھا الفس، خمار اور اسامہ نے بھی ہاتھ بڑھالے تھے انگلی کشا کر شہیدوں میں شامل ہوئی تھیں۔

حسب معمول عطیہ کے تمام سسرالی آئے ہوئے تھے رہا باب نے تمیز سے سلام کیا اور بیٹھ گئی آج تو گھو بھی آیا ہوا تھا لمبے بالوں والی مخلوق دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی شادی بیاہ کی باتیں ہو رہی تھیں لمبے بالوں والے نے بڑی عاشقانہ نظروں سے رہا باب کو دیکھا اور ہا آواز بلند کہا۔

"مس آپ مجھ سے شادی کریں گی۔" یہ ہم چھڑ کر وہ اپنی مٹی کی طرف مڑا اور کہا۔

"میں نے اگر شادی کی تو اسی سے کروں گا" گھو بھی پھیل گیا اس کی نگاہ انتخاب بھل پر جا ٹھہری بس پھر کیا تھا رہا باب نے عطیہ کے سسرالیوں کی کسی پشت کو بھی نہ پیشا عمارہ اور کل بمشکل تمام اسے باہر لے کر گئیں۔ گھو اور لمبے بالوں والے کی مٹی رقیہ کو سوسو باتیں بنا کر گئیں اور ڈھکے چھپے انداز میں منگنی توڑنے کی دھمکی بھی دی رقیہ اور آمنہ وند تاتی عمارہ کے سر پر جا پہنچیں۔

"عمارہ بی! اگر عطیہ کی معافی ٹوٹی تو میں تمہاری ان لاڈلیوں کو زندہ دفن کر دوں گی، ہاتھ کر رکھو انہیں یہ اپنے حسن اور ناز و انداز کے تیر کہیں اور جا کر چلائیں تو بہ کیسی گھنی اور اپنی طرح چالاک اولاد پیدا کی ہے خدا جانے اندر کی اندر کیسے چکر چلتے رہے کہ وہ لڑکا افشاں کے رشتے سے انکاری ہو گیا۔" حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی اس نے اقرار ہی نہیں کیا تھا تو اقرار کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔ وہ دونوں رہا باب کو کچا چاؤ الٹا چاہتی تھیں دونوں نے اپنے شوہروں کو ایک کی چار لگا کر سناٹیں چھوٹے چچا کا ہاتھ رہا باب پر اٹھتے اٹھتے رو گیا کل کی بھی ملتی ہوئی۔

"خوب باپ کے مرنے کے بعد گل بھلا رہی ہو" بتایا ابا نے خوں آشام نگاہوں سے کل کو دیکھا تو اس کی جان پتے کی طرح کاٹنے لگی انہوں نے جانے اسے کیا کیا کہا وہ سر جھکائے سنتی رہی مگر رہا باب اس وقت ضبط کی کڑی منزاؤں سے گزر رہی تھی اس سے مزید کھڑے ہو کر صفائی پیش کرنا دو بھر ہو رہا تھا، وہ بھاگ آئی عمارہ اور کل زیر خطاب رہیں۔

"صاحبزادی جاؤ جلد ہی تمہارا رشتہ ڈھونڈوں گا" بتایا ابا کے اس جملے پر کل کی گردن گھٹنوں سے جا لگی وہ کہنا چاہتی تھی نہیں بتایا اب ایسی بات نہیں ہے مگر اس کی تو ہونٹ ہی گویا سل گئے تھے۔

"تم دونوں بیٹیں آئندہ کسی مہمان سے نہیں ملو گی اور نہ ذرا تنگ روم کی طرف آؤ گی" بڑے بچانے بھی حصہ لیا۔

تینوں بھائیوں کا غصہ دیکھ کر لگ رہا تھا کہ رہا باب کی شامت آنے والی ہے عمارہ اسے زبردستی ممانی کے گھر چھوڑ گئیں وہ بری طرح بھل رہی تھی کہ مجھے یہاں نہیں رہنا ہے خود بھابی کے ماتھے کے بل دور ہونے میں نہیں آرہے تھے عمارہ نے اسے اپنی ممتا کا وا۔ طوے کر رکھا۔ واپسی پر مسز بخاری کے پاس سے انہوں نے عطیہ کے سسرال فون کر کے معافی مانگی روئیں اور مقتضی نہ توڑنے کی منت کی پھر یہ ہوا کہ اس کے سسرال والے آئے ٹھونسا اور منگنی نہ توڑنے کی خوشخبری سنا گئے۔

ادھر رہا باب سخت مشکل میں تھی ممانی اس سے بات تک نہیں کر رہی تھیں اور نہ بچوں کو اس کے قریب پہنچنے دے رہی تھیں وہ اچھوتوں کی

طرح کمرے میں بندرورہ کر اکتانگی ایک منٹ بعد امی اسے لے لگیں یہ سات دن اس کے لیے بڑے ہولناک تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ دنیا سے اس کا رابطہ ہی کٹ گیا ہے۔

”امی کیا بات ہے یوں چپ کیوں ہیں؟“ بھل نے ان کو پریشان دیکھا تو چلی آئی۔

”کچھ نہیں ہے“ انہوں نے زیر ہوشی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سہائی تو وہ ٹھک گئی کہ کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔

”امی مجھے اپنی پریشانی نہیں بتائیں گی“ اس نے غلوں سے ماں کے دونوں ہاتھ تمام لئے۔

”رہا باب کا رزلٹ آنے والا ہے اسے آگے داخلہ دلانا ہے کتابوں یونیفارم کا خرچہ اور فیس بھی تو لازمی دینی ہوگی کہاں سے ہوگا یہ انتظام“

وہ بے حد پریشان لگ رہی تھیں۔

”امی فکر مت کریں اللہ بڑا سبب الاسباب ہے سز کرمانی نے مجھ سے کچھ کپڑے سلوائے تھے اچھی سلائی دی ہے اور روپے میرے پاس

پڑے ہوئے ہیں رہا باب کے داخلے کے اخراجات پورے ہوئی جائیں گے انشاء اللہ اسے ہم آگے ضرور پڑھائیں گے“ بھل کے لہجے میں عزم تھا

عمارہ نے بے اختیار اپنی ساری بیٹی کو پک کر گلے سے لگا لیا۔

”اچھا رہا باب کو بھی اور میری بھلا کو بھی بیٹی ہوگی ڈار سے چھتری کوٹنگ کی طرح“ انہوں نے کہا۔

”ڈار سے چھتری کوٹنگ کیوں ہونے لگی دو روٹ ہے اس گھر کی“ بھل نے بے اختیار درخت کی تو عمارہ مسکرائے لگیں۔

رہا باب کا رزلٹ بھی آؤٹ ہو گیا پہلے دس بہترین طلباء کی لسٹ میں اس کا نام بھی شامل تھا یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کسی بھی اچھے کالج میں

بغیر کسی سنارٹش کے بھی اسے داخلہ مل سکتا تھا رہا باب لاکھ جھگڑا اور زبان دراز سی مگر پڑھائی میں بہت اچھی تھی اور یہ اس کا تیسواں کلاس تھا وہ صرف

امتحانات میں پوری دلچسپی سے پڑھتی اور ساری رات جاگ کر پڑھنے والے سٹوڈنٹس کی طرح کے نمبر لاتی جو بات دوسرے سٹوڈنٹس ایک

ایک منٹ تک نہ سمجھ پاتے وہ محض پانچ دس منٹ میں سمجھ پاتی تھی مزے کی بات یہ تھی کہ اسے اپنی اس خوبی سے کوئی خاص غرض یا لگاؤ نہیں تھا اس کی

اس لا پرواہی پر بھل اکثر اسے ٹوک دیتی تھی۔

اس روز رہا باب شور میں تھکی ہوئی تھی بکھر ہوا سامان اٹھا کر اس نے کونوں میں کر دیا تھا اب شور کھلا کھلا لگ رہا تھا۔

”میں رات کو یہاں پڑھا کروں گی“ اس نے بتایا بھل اور عمارہ کو اعتراض نہیں تھا اب وہ بڑی کلاس میں آگئی تھی جتنا زیادہ پڑھتی اس کے

لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ کالج میں داخلہ لیتے ہی رہا باب کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں وہ کالج ٹائم سے لیٹ آتی تھی عمارہ نے سبب پوچھا تو بتا دیا۔

”میں اپنی فرینڈز کے دونوں چھوٹے بھائیوں کو ٹیوشن پڑھا کر آتی ہوں اس لیے دیر ہو جاتی ہے“ وہ رات کو بھی کتنی کتنی دیر جاگتی رہتی تھی

شور و مہم کو جائے چنادیناے کتا میں کاغذ سامنے پھیلائے وہ مکمل طور پر نکل ہوئی تھی محل اور عمارہ اپنے اگلوتے کمرے میں اسے ڈسٹرب نہ کرنے کے

خیال سے جلد سو جاتیں انہیں علم نہ ہوتا کہ وہ کب بستر پر آئی اور سوئی ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ پڑھائی میں واقعی دلچسپی لینے لگی ہے بھل نے ایک

روز یونہی اس کے مضامین پوچھے تو اس نے بتایا کہ اکٹا مکس پلٹیکل سائنس اور جرنلزم۔

"تینوں مضمون خاصے ٹھٹ ہیں تمہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی۔" اس نے یونہی برسیٹیل تڑکرو پوچھا۔

"نہیں آپنی گھبراہٹ کیسی" وہ خوش دلی سے بولی۔

افشاں اور غمار کے استحقاقات قریب تھے دونوں سارا سارا دن اور رات کمرے میں پڑھائی کرتی رہتیں رخصت اور آمد ماما کی ماری باداموں والا دودھ اور حلوے زبردستی انہیں کھار ہی تھیں ہر گھنٹے آئے سے وہ تڑکرو کر تھیں کہ ہماری پچیاں بڑی بھنتی ہیں ہر وقت پڑھتی ہی رہتی ہیں کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ہے دل میں رباب اور بگل بھی مرعوب تھیں اس روز رباب کو آمد چچی نے زبردستی روک لیا۔

"جاؤ دونوں بہنوں کو یہ دودھ دے آؤ" انہوں نے پتے بادام ملا دودھ کا جگ اسے تھمایا ناچار رباب کو یہ خدمت سرانجام دینی پڑی اس نے کمرے کا دروازہ دھاک کیا جو اندر سے لاک تھا اسے دروازہ بند کر کے پڑھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

"کون" اندر سے غمار نے صدا لگائی۔

"میں ہوں رباب دروازہ کھولیں چچی نے دودھ بھیجا ہے۔" اس نے بتایا۔

"آ جاؤ اندر" غمار نے اسے ہٹ کر جگہ دی اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا سامنے ڈی سی آر لگا ہوا غمار رباب کی نظر بھٹکتی ہوئی سکرین پر پڑی اس کا سارا لبو گالوں پر جمع ہو گیا ہاتھ حیرتوں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی ایسی قسم اس نے کب دیکھی تھی قسم تھی یا شیطان خزانہ۔

"رباب بیٹھ جاؤ دیکھو کتنی دھانسو قسم لگی ہوئی ہے جا کر کہہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ پڑھ رہی ہو" افشاں نے آج پہلی بار اس سے نرم لہجے میں بات کی اور غمار نے آنکھ دبا کر اسے دیکھا۔

"نہیں میں نہیں دیکھوں گی۔" وہ جلد از جلد یہاں سے نکلتا چاہتی تھی وہ مڑی تاکہ جاسکے افشاں اور غمار دونوں اس کے سامنے آئیں۔

"دیکھو رباب جو کچھ اس کمرے میں دیکھا ہے باہر جا کر کسی سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے" افشاں سر دھجے میں بولتی دروازے کے آگے سے ہٹ گئی اس کے نکلتے ہی انہوں نے دوبارہ لاک لگا لیا وہ جب واپس اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھی تو اس نے سنا آمد چچی رخصت چچی سے کہہ رہی تھیں۔

"پڑھ پڑھ کر دلوں کے اتارنے سے منہ کل آئے ہیں استحالوں کے بعد انہیں کہیں باہر سیر کرانے لے جائیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے فرانس چلتے ہیں۔" رخصت نے تائید کی۔ رباب کمرے میں پہنچے ہی ڈھیر ہو گئی غمار اور افشاں جو کچھ دیکھ رہی تھیں نہ جانے وہ قلموں کی کوئی لہم میں شمار ہوتی تھی پہلے اس کا خیال تھا کہ اثرین قلمیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ انہیں قلمی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھا جائے اب وہ جو کچھ دیکھ کر آئی تھی اس کا خیال تھا کہ اسے تو اسٹیلے بیٹھ کر بھی نہیں دیکھا جاسکتا نہ جانے کیوں اسے افسوس سا ہوا دونوں کی مانیں گن تھیں کہ وہ پڑھائی کر رہی ہیں انہوں نے جا کر یہ معلوم کرنے یا دیکھنے کی بھی ضرورت ہی نہیں محسوس کی کہ واقعی دونوں پڑھ رہی ہیں یا کچھ اور کر رہی ہیں؟ خاصی دیر بعد وہ ناگوار خیالات سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہوئی۔

تایا ابا کے چھوٹے صاحبزادے ایم اے کے کر کے لوٹ آئے تھے فہد عطیہ سے بڑا اور عریضہ سے چھوٹا تھا سب سے بڑا ایمان تھا جو شادی

شدہ اور صاحب اولاد تھا اس کے بعد مرثیہ اپنے گھر کی ہو چکی تھی علیہ کی بھی بات کہی تھی اب صرف فہرہ دیا گیا تھا بہن بھائیوں کو اس کی شادی کا بڑا ارمان تھا آمنہ اور رفعت دونوں چاہتی تھیں کہ وہ ان کا داماد بنے ایک لڑکا تھا اور تین لڑکیاں تھیں آج کل تو آئے روز اس کی دعوتیں ہورہی تھیں کبھی خالہ کے گھر کبھی پھوپھو کے گھر کبھی اس چچی کے ہاں برجہ اسے دی آئی اپنی ٹریٹ منٹ مل رہی تھی افشاں، غمار اور اسکا بھی اسے متاثر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ فہرہ کے دل میں کیا ہے ماں باپ دونوں کی طرف سے اس پر جلد شادی کرنے کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور وہ تھا کہ مسلسل نالے جارہا تھا ہر کوئی اس کی تعریفیں کر رہا تھا مگر باب کو فہرہ اچھا نہیں لگا تھا وہ جب سے آیا تھا ایک بار بھی ان کے پورشن کا رخ نہیں کیا بس سرسری سا آتے جاتے حال احوال پوچھ لیا اس نے اسے بھی بہت سٹ پر رکھ دیا گنڈ بک میں وہ پہلے ہی نہیں تھا۔

اس روز تینوں گھروں کی مشترکہ دعوت تھی تایا ابا نے رحم کھا کر ان تینوں کو بھی مدعو کر لیا غمار نے سب اور اسے دونوں کو اچھے کپڑے پہننے کی تلقین کی اور خود بھی نہادھو کر سفید کاشن کا سوٹ پہنا نکل چکن کے کپڑوں میں اپنے سادہ طے میں بھی اچھی لگ رہی تھی ماں باپ نے کوئی خاص تیاری نہیں کی تھی جتنے کے اوپر آگے وائٹ کرتا بہن لیا بالوں میں برش پھیر لیا کسی بھی قسم کی جیولری اور میک اپ سے تو اسے بھی خاص دلچسپی نہیں تھی بس اس کی تیاری مکمل تھی ماں اس کے پہلے کی نسبت خاصے بڑے ہو گئے تھے تین چار ماہ سے اس نے کٹوائے ہی نہیں تھے اب اس کا ارادہ دو بارہ سے بال بڑھانے کا تھا کالج میں اس کی جو دوست بنی تھی اس کے بال بے تحاشا لمبے تھے رباب کو اپنے بال یاد آ گئے ساتھ ہی دکھ بھی ہوا کہ کیوں کٹوائے تھے اس لیے وہ آج کل بڑھا رہی تھی۔

غمارہ اور کلج جا کر خاصے تکلف سے بیٹھ گئیں رباب بھی ایک میگزین دیکھنے لگی کل تو بعد میں صومبہ کے ساتھ کھانا کھانے لگی وہ یونہی بیٹھی رہی کھانا کھاتے ہی اس نے غمارہ اور کلج کو اپنے اشارے کیا۔

"امی اچھا آپ بھی آئیں مجھے اکتا کس کے ٹوس بنانے ہیں" فہرہ نے دھل انداز میں کی۔

"بھئی بیٹھو اتنے عرصے بعد یوں سب لوگ اکٹھے ہوئے ہیں" اس نے رد کار رباب کو اچھی طرح پہنچا دیا اور اپنی بیٹی رہیں تو پھر انہیں کھانے کے برتن دھو کر ہی جانا پڑے گا اور یہ وہ نہیں چاہتی تھی۔

"تو آپ سب بیٹھیں ہاتھیں کریں آئیں ناں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔" اس نے بہن کا بازو پکڑ کر باہر قدم بڑھائے۔

"رہا ب کیا بد تمیزی ہے یہ سب سوچ رہے ہوں گے ٹوس کر چلی گئی ہیں کسی کام کو ذرا بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے" کلج ناراضگی سے بولی۔

"صرف ہم نے اکیسے نہیں ٹھوسا ہے اوروں نے بھی کھایا ہے، کھائیں سب اور کام صرف ہم کریں یہ تو نہیں ہو سکتا یہ دعوت کھانا کسی نے ہم پر

احسن نہیں کیا ہے میرے بچوں پر یہ سب پیش ہو رہے ہیں" وہ کلج سے بولی تو کلج نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا مبادا کوئی اور یہ گفتگو نہ سن لے۔

"کون سکھاتا ہے تمہیں یہ باتیں اگر تاپا چچا کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تو رہنے کا یہ ٹھکانہ بھی چھین جائے گا تمہیں ہماری مشکلات کا کوئی

احساس ہے یا نہیں امی پہلے ہی اپنی بیٹی کی مرافقہ ہیں تمہاری حرکتیں ہمارے لیے کوئی نہ کوئی بڑا مسئلہ ضرور پیدا کریں گی۔"

اس روز وہ کالج سے لوٹی تو فہرہ بھائی ان کے اگلوتے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے رباب نے لٹھ مار انداز سے سلام کیا اور کلج کا پوچھا وہ

سنوروم میں تھی۔ کپڑے تبدیل کر کے کھانا لے کر وہ بھی ادھر آ گئی۔

”بھئی تم دونوں سے اس بے مروتی کی توقع نہیں تھی“ فہد جاتے جاتے سنور کے آگے رکا اور اندر جھانکا۔

”ہم تو ایسے ہی ہیں“ رباب بے نیازی سے بولی البتہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

”ایم سوری فہد بھائی یہ تو ایسے ہی کتنی رشتی ہے۔“

”میں کبھی نہیں سچ کہتی ہوں صرف سچ“ رباب اطمینان سے بولی۔

فہد کی نگاہیں بھل کی سیدھی مائیک پر جم کر رہ گئیں اس سادگی میں بھی اس میں غضب کا رکھ رکھاؤ تھا۔

”کیا بات ہے تم دونوں ہماری طرف آتی ہی نہیں ہو“ فہد آگے بڑھ آیا۔

”بھل آئی آپ کی عمر کی نمازنگلی جا رہی ہے۔“ اس نے فہد کی بات کو نظر انداز کر کے بہن کو یاد دلایا تو اسے بہت غصہ آیا وہ چلا آیا جس

عزت افزائی کی اسے توقع تھی ایسا نہیں ہوا تھا جب وہ یہاں سے گیا تھا عمارہ اور بھل پوری طرح اس کی ماں اور آمنہ رُفعت کے قبضے میں تھیں واپسی

میں اسے یوں لگا جیسے کیا پلٹ گئی ہے وہ دونوں رباب کے قبضے میں نظر آ رہی تھیں چھوٹی اور کم سن سی رباب کے قبضے میں جس کے بارے میں مشہور

تھا کہ وہ نفسیاتی مر ایضہ ہے وہ بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی جب وہ یہاں سے گیا تھا وہ چھوٹی سی تھی اب تو بیچنی سی نہیں جاتی تھی ظاہر ہے بارہ سالہ

اور سترہ سالہ رباب میں زمین آسمان کا فرق تھا وہ جب واپس اپنے پورشن میں آیا تو اسے ماں نے روک لیا۔

”ادھر کیا لینے گئے تھے بڑی ٹھنی ہیں یہ ماں بینیاں“ انہوں نے بیٹے کو یاد دلایا ساتھ ہی حلیہ کی سسرال والوں کے ساتھ رباب کی بدتمیزی

کا بھی واقعہ تکمرچ لگا کر بتا دیا دوسوچ میں ڈوب گیا رباب کو دیکھ کر لگا تھا تو نہیں تھا کہ وہ آگے دم خم والی ہے۔

بھل تائی رقیہ کے کچن میں مصروف تھی انہوں نے ماتھے پر سونیس ڈالتے ہوئے اسے جلدی جلدی ہاتھ چلانے کی تاکید کی اس نے مچھلی

فرائی کر کے ڈھانپ دی اور فیرنی پکانے لگی۔

”بڑی زبردست خوشبو آ رہی ہے“ فہد اچانک ہی آگیا تھا بھل ڈر گئی تائی کی ہدایت تھی کہ فہد سے بلا ضرورت بات نہ کی جائے وہ اس سے

مخاطب ہی نہیں ہوتی تھی وہ خود ہی نگرا جاتا تھا جیسے اس وقت ہوا تھا اس نے جیسے جیسے فیرنی کی ڈیکوریشن کر کے فریج میں رکھی اور باہر جانے لگی تھی کہ

فہد آگے آ گیا۔

”کزن کیا بات ہے مجھے دیکھتے ہی تم کترانے کیوں لگتی ہو۔“ اس کا موڈ آف ہو گیا۔

”فہد بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے اور پلیز مجھے راستہ دیں“ اس کے ہنسنے ہی وہ اپنے کمرے میں آگئی شکر تھا کہ تائی کو خبر نہیں تھی۔

اس روز تائی اور دونوں چچیاں کہیں جا رہی تھیں انشاں، اسماء، عمارہ اور عطیہ بھی تیار ہو رہی تھیں صومیہ بھائی اور چنا دونوں اپنے اپنے میکے

میں تھیں فہد کسی دوست کی طرف گیا ہوا تھا جانے سے پہلے تائی رقیہ بھل کو یہ ہدایت دینا نہ بھولیں کہ فہد کے کمرے کی صفائی اچھی طرح کر دینا اس

کو دینا میں ”کر دینا“ چمپا ہوا تھا جسے وہ بخوبی جانتی تھیں چو صاحبہ تو جیسے جیسے ہاتھ مار کر چل دیتی بعد میں اسے ہی بار کیلی سے تمام کام کرنا پڑتا

جس کی وہ ماہر تھی ہوم اکٹ نکس کی تعلیم اس صورت میں اس کے کام آ رہی تھی۔ امی کو بتا کر وہ فہد کے کمرے کی صفائی کرنے لگی شکر تھا کہ وہ خود گھر پر نہیں تھا رہا اب بھی سوئی ہوئی تھی اس کی تین نیچر زچھٹی پر تھیں وہ بھی برقی سرے روز چھٹی کر لیتی اور اب دن کے گیارہ بج رہے تھے وہ حیرے سے سوئی ہوئی تھی عمارہ سودا سلف لینے قرعہ مار کیت گئی ہوئی تھی گھر میں بس وہ دونوں تھیں..... فہد جلدی لوٹ آیا تھا اس کا دوست گھر پر نہیں تھا دونوں کا پر دگرام باہر لٹچ کرنے کا تھا جواحمہ کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی ہو گیا۔

نکل اس کے کمرے کی جھاڑ پوچھ میں لگی ہوئی تھی اسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی ”مجھے تائی اماں نے کہا تھا آپ کے کمرے کی صفائی کر دوں“ وہ سادگی سے بولی۔

”ہاں تو میں نے کب کہا ہے کہ تم میرے کہنے پر صفائی کر رہی ہو کاش کبھی تم میرے کہنے پر بھی.....“ فہد کے لہجے میں اس کی دلی خواہش بول رہی تھی۔ ”نکل جب گئے آیا ہوں تمہارا گریز دیکھ رہا ہوں حالانکہ اس گریز کو ابھی طرت سمجھتا ہوں پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تمہارا یہ رویہ بدل جائے اس لیے کہ یہی میری دلی خواہش ہے نکل آئی لو.....“ فہد نے دل کا بھید ظاہر کر ڈالا نکل کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا اگر تائی اماں یہ سن لیتیں تو اسے لفظوں کے تیروں سے چھتی کر ڈیتیں عافیت اس میں تھی کہ خاموشی ڈر رہا جائے۔

”فہد بھائی میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کریں۔“ وہ رو ہانسی ہوئی تو فہد ان کو اس کے حال پر رحم آ گیا وہ خاموشی سے کمرے سے چلا گیا نکل جلدی جلدی چیزیں سمیٹ کر آئی۔

# ☆☆☆ ڈاٹ کام

عطیہ کی شادی قریب تھی اس کے زیادہ تر جوڑے کل ہی سی رہی تھی جو بھی دیکھتا اس کی مہارت پر حیران ہوئے بغیر نہ رہتا غماز، اسما، افشاں، حریشہ اور موسک نے بھی اپنے تمام کپڑے سینے کے لیے اس کے حوالے کر دیئے۔ باب نے کتنا کہا کہ واپس کر دیں، ہم لوگ نہیں ہیں جو مفت میں کپڑے سی کر دیں کل نے نرمی سے اسے ٹوک دیا تھا۔

”آپ کو پتہ ہے جہاں سے یہ کپڑے سلاوا ہیں وہ ڈیزائننگ کرنے کے صرف دو ہزار لیتا ہے آپ اتنے زیادہ کپڑے ایسے ہی انہیں سی کر دیں گی“ باب نے بار نہیں مانی اور اسے سمجھاتی رہی۔

اس روز کل اسما کے کپڑے سی رہی تھی۔ کالی اسٹریپ شرٹ کے ساتھ سرخ رنگ کی شلوار اور دوپٹہ تھامیں کے پلوؤں پر کڑھائی اور پھول پتی کا کام دوپٹے میں چھڑی کے چھوٹے چھوٹے کٹ کر لگائے گئے تھے سائیدوں پر ہلکی ہلکی دیدہ زیب کڑھائی تھی یہ سب اس نے گھر پر کیا تھا اسی وقت مسز جواد گئیں کل ہائی کے لائونج میں بیٹھی سلاوا کر رہی تھی وہ بھی ادھر ہی آگئیں۔

”کل میرا مشورہ ہے کہ تم ڈریس ڈیزائننگ کی طرف آ جاؤ کچھ تمہارے تیار کئے ہوئے لمبوسات کی دھوم بچ جائے گی۔ اب بی جی کو سی لے لو ایک عام سے سوٹ کی ڈیزائننگ کے پانچ سے دس ہزار لے لیتی ہے ریشمی اور لمبوسات کے سوٹوں کا پوچھو سی مت دو ہزار کے سوٹ پر ڈیزائننگ بچیں سے تین ہزار کی ہوتی ہے ہماری تمام فلم ایکٹریس اس سے کرواتی ہیں اس کے ڈریسوں کی دھوم ہے حالانکہ مجھے اتنے خاص نہیں لگتے ابھی گزشتہ دنوں جو فلم ایوارڈز ہوئے تھے اس میں ہماری ٹاپ کی میرکٹرز نے اسی کے تیار کردہ لمبوسات پہنے ہوئے تھے وہی کپڑے اگر ہم گھر پر تیار کریں تو ہزار میں آرام سے بن سکتا ہے ویسے ریشم نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا مجھے بہت اچھا لگا میں تمہیں سب کچھ لادوں گی مجھے سی دو گی؟“ انہوں نے لہجے میں شہد سو یا حالانکہ ابھی خود ہی وہ کچھ دیر پہلے کہہ رہی تھیں کہ بی جی کے ڈریس اتنے خاص نہیں ہوتے اور اب خود ہی اسی کے تیار کردہ سوٹ کی نقل بخواری تھیں کل کو بذات خود بی جی کی ڈیزائننگ میں انفرادیت نظر آتی تھی ویسے بھی وہ آرٹسٹک مائنڈ تھی۔

”ٹھیک ہے بنا دوں گی“ اس نے حامی بھری تو وہ اس پاس بکھرے دوسرے سوٹ دیکھنے لگیں دل ہی دل میں انہوں نے کل کی ذہانت کو سراہا اس نے اتنی خوبصورتی سے رنگوں کو اکٹھا کر کے بچ کیا تھا اس پر ڈیزائننگ اور نقاشی غصب کی تھی مکمل مشرقی اور قدرے جدید انداز جھانکتا تھا۔ دوسروں کے مقابلے میں خود ان دونوں کے کپڑے انتہائی عام سے تھے نہ جانے تائی کو کیسے ان دونوں بہنوں کا خیال آ گیا تھا احساس کرتے ہوئے وہ دوسوٹ انہیں بھی لادے تھے مہندی اور بارات کے لیے عمارہ نے اپنی بری میں چڑھائے گئے سوٹ نکالے جو بیس بچیس سال پرانے یہ سوٹ کچھ کچھ اپنی چمک کھو بیٹھے تھے بہر حال نقاشی اور آب و تاب وہی تھی۔

کل دن رات ایک کر کے سب کے سوٹ سی رہی تھی مایوں کی تقریب سر پر آگئی تھی ابھی تک ان دونوں بہنوں کے کپڑے نہیں سلے تھے رات کو مایوں تھی وہ صبح سے ہی مشین لے کر بیٹھ گئی باب کا سوٹ سینے میں کافی وقت لگ گیا کیونکہ اس کا ڈیزائن توجہ مانگ رہا تھا شام چھ بجے کے قریب خدا خدا کر کے دونوں سوٹ مکمل ہوئے تو تائی رقیہ سے نے کل کو بلوایا تھکن سے اس کا انگ انگ چڑھا پر ان کا حکم نہ لانا بھی تو ممکن نہیں تھا۔

رباب بھی ادھر ہی تھی بہن کی تحکین کے خیال سے وہ آگئی تھی تاکہ اس پہ کم سے کم بوجھ پڑے تاکہ اس نے اسے نظر انداز کیے رکھا اور نکل کو ہی ہدایات دیتی رہیں وہ ہر بلائے منتی رہی عطیہ کے جینز کا سامان ڈیوں میں بند کر دیا تھا صوبہ اور چوہ بھی اس کی مدد کر رہی تھیں پھر بھی اچھا خاصا تانم لگ گیا واپسی پہ کھل کا یہی جی چاہ رہا تھا کہ لمبی تان کر سو جائے مگر شادی کے گھر اور بچکے سے میں یہ کس طرح ممکن تھا وہ تحکین اتارنے کے لیے نہانے کھس گئی رباب نے اس کے اور اپنے کپڑے پر لیس کئے امی تو پہلے سے ہی ادھر تھیں وہ نہا کر نکلی تو رباب ہر ش افشا کر اس کے کیلے بالوں میں پھیرنے لگی اسے بہن پر بے اختیار پیار آ گیا تھا اتنی پیاری سی آپنی تھی اس کی ہر ایک کے کام آنے والی بے غرض اور پر خلوص سعادت مند سب کا اچھا سوچنے والی۔

”اللہ کرے آپنی کو اتنا اچھا لڑکا ملے کہ سب مل کر دیکھتے رہ جائیں۔“ اس نے آئینے میں آپنی کو دیکھتے ہوئے دعا مانگی۔

شادی کی تقریبات میں رباب اجنبیوں کی طرح الگ تھلگ بیٹھ جاتی جبکہ کل ہر کام میں پیش پیش رہتی۔ اس وقت بھی مہندی کا بنگار عروج پر تھا پر رباب ستون کے ساتھ کھڑی بیزار سی لگ رہی تھی تل ابھی ابھی اس کے سامنے سے گزر کر بچن میں لگی تھی چند لمحوں بعد فہد بھی اس کے پیچھے چلا گیا رباب کے تن بدن میں آگ سی بھر گئی تیز تیز قدم اٹھاتے اس نے بچن کا رخ کیا۔

”کل آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو اچھا ذرا یہ بازو سامنے کرو دیکھو کچھ چڑیاں کس رنگ کی پہنی ہیں“ فہد اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا۔

”آپنی“ رباب اونچی آواز میں جیسے جتنی کھل کے ہاتھ سے پیالی چھوٹ گئی فہد بھی ٹھہرا گیا۔

”فہد بھائی تائی ادھر ہی آرہی ہیں“ وہ چپا چپا کر بولی تو وہ کھسیا گیا۔

”آپنی آئیں میرے ساتھ“ اس نے کل کا بازو پکڑ کر باہر قدم بڑھائے۔ پھر وہ اس کے ساتھ ساتھ رہی کسی عافذ کی طرح کل شرمندہ تھی نہ جانے رباب اس کے بارے میں کیا سوچ رہی تھی شرمندگی کے بارے وہ اس سے آنکھیں میٹھی نہیں ملا پارہی تھی حالانکہ فہد کی پیش قدمی کا اس نے کبھی بھی مثبت جواب نہیں دیا اسے اپنی حیثیت اور مقام کا یہ تھا وہ خواہاں کیوں ماں اور بہن کے لیے مشکلات پیدا کرتی وہ بڑی حقیقت پسند لڑکی تھی پھر جو تائی رقیہ اور ان کے گھرانے کا رویہ تھا وہ اپنی آنکھوں کو رنجکوں کے مذاپ سے بچانا چاہتی تھی فہد کی باتیں دل میں بالکل مچا جاتیں کچھ دیر بعد وہی خاموشی ہوتی رباب آج عین وقت پر آگئی تھی ہوسکتا تھا کہ وہ کسی مقام پر کمزور پڑی جاتی مگر رباب کی آمد نے یہ خدشات بھی رفع کر دیئے تھے۔ نہ رباب نے اسے کچھ کہا تھا نہ اس نے صفائی دی تھی پھر بھی دونوں کے مابین ایک خاموش معاہدہ ہو گیا تھا۔ کل اس طرف سے گزرتی ہی نہیں جہاں فہد سے ٹکراؤ ہونے کے امکانات ہوتے رباب نے اسے بروقت خبردار کیا تھا۔

کل کی تمام کزنز سے شادی میں آئے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کپڑے کون سے بوتیکس سے خریدے ہیں سبھی نے بڑے بڑے بوتیک کے نام لیے مگر رباب نے عطیہ کے ویسے کے دن سب کے جھوٹ کا پول کھودیا پھر بعد میں جو شرمندہ ہوئیں تو رباب کے جلتے دل پہ شبہم کرنے لگی تھی ہر کوئی کل کے گرد چکر لگا رہا تھا وہیں ایک ڈرامہ پروڈیوسر بھی ٹکرائے انہوں نے کہا کہ ہماری آنے والی تین میریلز کے کپڑے آپ ڈیزائن کریں تو میں آپ سے معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

تائی رقیہ، آمنہ چچی اور رُفت چچی کی خشکیں لگا ہیں اسے اپنی پشت میں چھپتی محسوس ہو رہی تھیں اس نے بمشکل تمام اس پروڈیوسر سے



جان چھڑائی گھر آ کر تاپا اور چچا نے اسے سخت ست کہا اور فرمایا۔

”ہمارا تعلق اعلیٰ اور معزز خاندان سے ہے ہماری بیٹیاں اب ٹی وی کے لیے درزیوں کا کام کریں گی“

تائی بھی غم ٹھوٹک کر مقابلے میں اتریں۔ ”ساری کارستانی اس شام راج رہا اب کی ہے خود ہی ہنس ہنس کر سب کو بتا رہی تھی میری آپنی نے سب کے کپڑے بنائے ہیں“ انہوں نے نقل اتاری اور طوقان کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

”کیوں بھی ایسا ہی ہے“ تاپا نے اس کی طرف رخ کیا۔

”جی ہاں میں نے ہی سب کو بتایا کہ میری آپنی نے یہ سب کپڑے سئے ہیں یہ نہیں کہا کہ انہوں نے لی اسٹائل، بی جی اور ٹی جیو سے خریدے ہیں میں نے صرف سچ بولا ہے میرے بچا اور امی نے ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی ہے“ وہ بہت آرام سے بول رہی تھی۔

”ہائیں کیا ہم اپنی اولاد کو جھوٹ کی تلقین کرتے ہیں“ آمنہ تڑپ گئیں۔

”معلوم نہیں میں صرف اپنا کہہ رہی ہوں“ وہ اسی انداز میں بولی ان دونوں بہنوں کے جانے کے بعد تینوں خواتین اپنے اپنے شوہروں کے سر ہو گئیں۔

”آپ نے دیکھا بابا تم سے نکلتی جا رہی ہے ضرور کوئی نہ کوئی گل کھلا کر رہے گی، یہ گل تو میسجی ہے پر بابا... اللہ بچائے“ وہ قطرہ قطرہ ہر اٹھیل رہی تھیں۔

\*\*\*  
ڈاٹ کام

رہا باب نے ایف اے بھی شاندار نمبروں سے ٹیکس کر لیا تھا اب وہ آنرز میں داخلہ لینا چاہتی تھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کے کیا ارادے ہیں اور سندھ بھاتی تھی اب اس نے کہا کہ وہ یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتی ہے۔ لہٰذا یوئس مہرٹ پر اسے داخلہ مل گیا تھا۔ اسی یونیورسٹی میں افشاں اور خمار بھی زیر تعلیم تھیں دونوں تین سال سے انگلش میں ماسٹرز کرنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر والے کہتے تھے دونوں بہت پڑھتی ہیں پھر بھی ایگزیمینرز گزر نہ کر دیتے ہیں سارا الزام پر دو گرام اور ایگزیمینرز کے سر تعویذ دیا جاتا۔

رہا باب کی دوست کی بہن بھی اسی یونیورسٹی میں تھی اور اتفاق سے وہ افشاں اور خمار کی کلاس فیلو بھی تھی۔ رہا باب پوائنٹ سے گھر آتی تھی جبکہ وہ دونوں گاڑی پر آتی جاتی تھیں انہوں نے اسے کبھی سوکھے منہ بھی نہ کہا کہ تم بسوں میں دھکے کھاتی پھرتی ہو ہمارے ساتھ ہی بیٹھ جایا کرو انہیں تو اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا بھی اچھا نہیں لگا تھا حالانکہ رہا باب کا شعبہ اور کا اس بالکل الگ تھی۔

بکس اور عمارتوں کا بازار گئی ہوئی تھیں بکس کو چھ سوٹ لینے تھے سیلنگی ہوئی تھی عمارتوں نے سوچا جا کر لے آئیں ویسے بھی سردیاں تین چار ماہ بعد شروع ہونے والی تھیں وہ تو گرمیوں کے کپڑے سردیوں میں اور سردیوں کے کپڑے گرمیوں میں لوٹ مار سیل سے خریدتی تھیں بکس اپنے لیے تو نیا کپڑا کم ہی بیاتی تھی اسے زیادہ تر رہا باب کی فکر رہتی تھی جس نے اب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہوا تھا وہاں ہر طبقے کی لڑکیاں پڑھتی تھیں وہ بہن کو ہر قسم کے احساس کمتری سے بچانے کے لیے کم قیمت کپڑا اور جو تے خرید کر لاتی اور پھر اپنی مہارت سے عام سی چیز کو خاص بنا دیتی پھر رہا باب کی فریڈز پوچھتیں یہ سوٹ کہاں سے لیا ہے؟ وہ ہنس کر آتی کا نام لیتی۔

”امی یہ والا سوٹ رہا باب کے لیے لے لیتے ہیں“ اس نے لائٹ پنک اور ڈار پنک ٹکڑے سوٹی کپڑے پر ہاتھ رکھا عمارتوں نے کچھ تذبذب کے بعد خرید لیا وہ سڑک پر کھڑی کسی تانگے کا انتخاب کر رہی تھیں بکس آ کر گھومی اور پیچھے بنی ڈکانوں کے نام پڑھنے لگی یہ دو منزلہ مارکیٹ تھی اوپر مختلف کمپنیوں اور اخبار کے دفاتر تھے اس نے ایسے ہی ایک دفتر سے رہا باب کو نکلتے دیکھا اس کے ساتھ مار یہ تھی رہا باب کی فریڈ، سو فیصد وہ دونوں ہی تھیں اس سے پہلے کہ وہاں کو متوجہ کرتی وہ دونوں غائب ہو گئیں بکس الجھ سی گئی ان دونوں کا اخبار کے دفتر میں کیا کام تھا؟ اور یونیورسٹی ٹائم میں وہ یہاں کیا کر رہی تھیں۔ اسے شدت سے دلچسپی رہا باب کا انتظار تھا یہ یقین تھا کہ وہ کوئی ایسی دیکسی لڑکی نہیں ہے ساتھ مار یہ بھی تھی دل کو ڈھارس ہی تھی۔ رہا باب یونیورسٹی سے کافی دیر بعد لوٹی آج اس کی چال میں نشہ سا تھا دونوں ماں بیٹی چمک گئیں اس نے بیک اور فائل آتے ہی پھینکا اور بستر پر گر کر سٹکٹانے لگی۔

ہے جذبہ جنون تو بہت نہ ہاں

جستجو کرے وہ چھوئے آسمان

”آج بہت خوش لگ رہی ہو کیا لاٹری نکل آئی ہے۔“ بکس نے گہری لگا ہوں سے اسے جانچا۔

”ہاں لاٹری ہی نکل ہے“ یہ کہہ کر وہ بیک کوالٹ پلٹ کرنے لگی اس کے ہاتھ میں نوٹوں کا ایک سوٹی سی گڈی دی ہوئی تھی بکس اور عمارت

دلوں کے دل کسی وحشت ناک خیال سے دھڑکے۔

”کہاں سے اتنے روپے لائی ہو تم“ عمار کا لہجہ ایک سخت گیر ماں کا لہجہ تھا۔ باب نے کوئی پروا نہیں کی۔

”رہا باب کہاں سے آئے ہیں یہ پیسے“ اب کے عمار وہ کڑک کر بولیں تو رہا باب کے چہرے پر تاریک سا سایہ بھرا۔

”امی یہ میری پورے دو سال کی محنت کا معاوضہ ہے میں اخبار میں کالمز اور آرٹیکل لکھتی ہوں ایک دو فیچر بھی لکھے ہیں کالج میں داخلہ لیتے ہی میں نے یہ کام شروع کر دیا کیونکہ میری ننھیلا کہتی تھیں تمہارے اندر لکھنے کی قدرتی صلاحیت ہے میں نے راتوں کو جاگ جاگ کر یہ کالمز اور آرٹیکلز لکھے ہیں روزنامہ آواز کے ایڈیٹر نے شروع میں مجھے معاوضہ دیا تو میں نے کہا کہ میں اکٹھا دو سال بعد لوں گی تاکہ کل آپ کی چیز بن جائے آپ ماریہ سے پوچھ لیں میں اس کے ساتھ ”آواز“ کے دفتر گئی تھی۔“ رہا باب کی آواز میں نئی در آئی جیسے یہ بات اسے برداشت نہ ہو رہی ہو کہ ماں اور بہن دلوں اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔

”ماریہ سے کیوں پوچھوں میں نے خود تمہیں دیکھا تھا“ کل نے شرمندہ سے لہجہ میں کہا عمار وہ اپنے جھپٹ کر اسے سینے میں چھپا لیا تھا۔

”میری ننھیلا میرا چاند“ وہ اس کے منہ ہاتھوں اور بالوں پر اپنی محبت کی مہر بن کر رہی تھیں ان کے آنسوؤں سے رہا باب کا چہرہ بھیک گیا تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں انہیں کیا خبر تھی کہ جس رہا باب کو وہ لاپرواہ اور کھٹکڑی سمجھتی ہیں، وہ اتنی حساس نکلے گی راتوں کو کالج کی پڑھائی کے بہانے اخبار کے لیے لکھتی ہوگی انہیں معلوم تھا کہ دورات ایک ایک دو بجے تک بستر سے دوڑتی ہے، اور پھر صبح اٹھتے ہی کتاب کھول لیتی ہے تاکہ اس کی پڑھائی کا حرج نہ ہو مگر کی تمام لڑکیاں ان کے سامنے پٹی بڑھی تھیں ٹی وی، فلم، وی سی آر، پنک، پارٹیاں اور میوزک کے علاوہ انہیں کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا جو وقت بچتا رہے بندھے پڑے لیتیں یا پھر حسن کے ہتھیاروں کو تیز کر تیں کسی خوش باش تھیں یہ افشاں، عمار اور اسامہ کوئی ٹھہرنے کوئی بوجھ، کھلے کھلے چہروں اور ابلے ابلے لباسوں میں تعلی کی طرح اڑتی پھرتی تھیں رونی تھی ان کے بے فکر چہروں پر۔

انہوں نے غور سے رہا باب کا چہرہ دیکھا گندی رنگت کی آمیز لیے کتاب مطمئن اور سرور لگ رہا تھا انہیں اپنی بیٹی کے چہرے پر چٹانوں سا عزم نظر آیا اس کی آنکھیں سکارے اور کا جل کے بغیر بھی کتنی صاف اور شفاف لگ رہی تھیں۔ اس نے کوئی بھی اپورٹ پر فیوم نہیں لگایا ہوا تھا پھر بھی اس کے ملبوس سے کیسی اپنی اپنی اور پاکیزہ وی خوشبو آ رہی تھی اس کے جسم پہ قیمتی سوٹ نہیں تھا پھر بھی وہ اتنی ہادوا رنگ رہی تھی اس کی انگلیوں میں کوئی بھی میرے یا سونے کی انگلی نہیں تھی اس کے ہاؤس وہ بھی اس کی انگلیاں اور ہاتھ کتنے خوبصورت لگ رہے تھے اس کی انگلیاں قم جیسی طاقتور چیز کو تمام کر کتنا حسین لگتی ہوں گی۔ عمار نے سوچا تھا۔

”امی بس کریں مت روئیں“ کل نے دلوں کو الگ کیا وہ ابھی بھی مغموم ہی بیٹھی ہوئی تھیں رہا باب کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی تھی۔

”کل یہ پیسے رکھ لو سارا کوڑے آؤں گی ایک دو انگوٹھیاں تو بن ہی جائیں گی“ وہ سوچ میں گم تھیں کل کچھ کہے بغیر اٹھا کر اندر آ گئی۔

آج افشاں اور عمار نے اسے زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھا لیا تھا وہ اس نوازش پہ حیران تھی۔

”رہا باب آج ہم ذرا دیر سے آئیں گے لی کی برآمدے ہے تم بتا دینا ہم تمہیں اگلے سٹاپ پر اتار دیں گے مائنڈ مت کرنا“ عمار مصنوعی

عاجزی اور شرمندگی سے بولی۔ شاپ پہ اترتے ہوئے دوطرحدار اور مادرن لڑکے گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔ "افٹی کب سے انتظار کر رہا ہوں" شاپ پر کھڑی رہا ب کی سماعتوں نے یہ آواز بخوبی سن لی تھی یوں بھی درمیان میں زیادہ قاصد نہیں تھا۔ "بیٹھو" اس نے بیک ڈور کھولا تو دونوں بیٹھ گئے چند لمحوں بعد ہی گاڑی ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہو گئی۔

دوسرے روز بخار نے چوکے ذریعے اسے ضروری بات کرنی ہے کہہ کر بلایا آس پاس امی اور آپلی نہیں تھیں ورنہ حیران ہوتیں کہ غمار نے کیا ضروری بات کرنی ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی افشاں اور غمار کھسر پھسر کرتی نظر آ گئیں۔

"ادھر بیٹھو" افشاں نے اسے درمیان میں بٹھا لیا رہا باب سوچ رہی تھی نہ جانے کوئی بات ہے۔ "رہا باب یہ کچھ پیسے ہیں رکھ لو کوئی سوٹ ووٹ خرید لینا" افشاں نے اس کی منگی میں دوسرے نوٹ زبردستی دبائے۔

"آپنی منگ نے ان کا کیا کرنا ہے رہنے دیں مجھے ضرورت نہیں ہے" اس نے منگی کھولے بغیر اس کی طرف پڑھائی۔  
 "ارے لے لو نہ چھٹا ہمارا ساتھ دو گی تو عیش کرو گی" غمار بولی تو وہ کھڑی ہو گئی منگی میں وہ پیسے اسے سرسراہٹے ناگ نگ رہے تھے وہ جلد از جلد جان چھڑانا چاہتی تھی۔

"چھٹا ہماری کزن نہیں ہو، کیوں دل توڑ رہی ہوں مان جاؤ ناں" غمار نے اس کی غصہ کی چھوٹی تو وہ مجبور ہو گئی دل اندر سے کہہ رہا تھا واپس کر دے یہ ٹھیک نہیں ہے مگر وہ دونوں کے آگے بارگشی واپس آ کر ٹریک کھول کر اس نے پیسے سب سے ٹپل تہ میں پھینک دیئے اسے اب کچھ سکون ہوا تھا۔ تین ساڑھے تین منٹ بعد غمار اور افشاں پھر کسی دوست کی برتھ ڈے میں جا رہی تھیں اسے پیغام دے کر وہ پہلے کی طرح اسے شاپ پر اتار کر چلی گئیں۔ اب ان دونوں کا رویہ رہا باب کے ساتھ دوستانہ ہو گیا تھا دونوں خود ہی ان کے پورشن میں آ جاتیں، رہا باب نے دیکھا کئی بار افشاں یا غمار نے جاتے وقت کچھ نوٹ امی کی منگی میں زبردستی دبائے۔ امی بھی حیران تھیں اس کا پلٹ پر جب تین چار بار مسلسل ایسا ہوا کہ دونوں نے ہر بار انہیں پیسے دیئے تو وہ بازار جا کر دونوں کے لیے ایک ایک سوٹ خرید کر لے آئیں پچھلے ہی کر دونوں کو گفٹ کر دیا اصل میں غمارہ احسان اٹھانے کی قائل نہیں تھیں انہوں نے اس گھر میں ذلت، تسنن اور حقیر کے دو وہ انداز دیکھے تھے کہ اب ہر قسم کی چاہت اور خلوص سے ان کا دل اٹھ گیا تھا۔

"رہا باب رات کو چاہو تو آ جانا مل کر عذی کریں گے" آج بھی وہ آئی تھیں اور جاتے جاتے اسے اپنے ساتھ پڑھائی کرنے کی چیکش بھی کر گئیں لفظ "سٹڈی" پہ خاصا زور دیا گیا تھا۔

"آپنی میرے سر میں درد ہے میں آج نہیں پڑھوں گی۔" اس نے انکار کر دیا۔ رات کو جب وہ کتابیں اٹھائے سنور روم میں جانے لگی تو غمارہ نے یونہی پوچھ لیا۔ "تمہارے سر میں تو درد تھا۔"

"بس اب نہیں ہے" وہ اندر چلی گئی تو وہ الجھ سی گئیں نہ جانے افشاں اور غمار کیوں اتنا اتفاقا برت رہی تھیں کیوں اپنے ساتھ پڑھائی کرنے کی بات کر رہی تھیں اور رہا باب نے سر درد کا بہانہ بنا کر کیوں انکار کیا تھا جانے اس میں کیا راز تھا۔

افشاں اور غمار نے آج پھر اسے اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا آج اس کے ساتھ وہی ایک سارٹ ساڑ کا تھا اسی روز والا، بیک سیٹ پر باب اس کے ساتھ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی تھوڑی دور جا کر گاڑی رکی اور اس روز والا دوسرا لڑکا بھی بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں عجیب سی سرخی تھی دو لڑکوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر اکیلے بیٹھنا باب کو اچھا نہیں لگ رہا تھا اس نے ڈرائیو تک کرتی غمار کا شانہ ہلایا۔

”آپنی میں ادھر نہیں بیٹھوں گا آپ میں سے کوئی میری جگہ آ جائے یا مجھے ادھر ہی اتار دیں میں چلی جاؤ گی۔“ اس کے لہجے میں ضد تھی افشاں پیچھے آگئی اور وہ آگے چلی گئی مر مر میں سے اس نے دیکھا کہ افشاں سرے سے دونوں لڑکوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے۔

”ان کا تعارف نہیں کراؤ گی“ جولا کا بعد میں سوار ہوا تھا وہ بولا۔

”یہ میری کزن باب اسد کمال ہے ہے اے آنرڈ فرسٹ ایئر میں ہے“ افشاں نے ہی تعارف کر دیا۔ باب نے شکر کیا جب اس کا مطلوبہ شاپ آیا۔ اسے ہدایات دیتی غمار زن سے گاڑی نکال کر لے گئی۔

پھر ایک روز غمار اور افشاں ان دونوں لڑکوں کے ساتھ اس کے ڈیپارٹمنٹ چلی آئیں اور اسے زبردستی کیفے ٹیریا لے گئیں باب کو بے حد شرمندگی محسوس ہو رہی تھی باقی نہ جانے اس زبردستی سے کیا محسوس کر رہے تھے۔

”مس باب آپ سے رو برو ملنے کی بڑی تمنا ہے کسی روز چلیں میں ہمارے غریب خانے پر افشاں اور غمار کے ساتھ“ وہی سارٹ ساڑ کا بولا۔  
”مضمربہ پہلے میں تعارف کروادوں یہ خاور ہے اور یہ جنید ہے۔ جنید کا مران گروپ آف انڈسٹریز کے پارٹنر ہیں، خاور ان کے کزن ہیں“ غمار نے تعارف کرایا باب نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔

”میری اگلی کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے میں چلتی ہوں“ وہ اٹھ آئی وہ چاروں ارے ارے کرتے رو گئے۔  
”تو بڑی مغرور ہے تمہاری کزن“ خاور بولا۔

”خود کو توپ شے تصور کرنے لگی ہے منہ کیا نکالیا ہے آسمان پر اڑنے لگی ہے“ افشاں نے نفرت سے ہونٹ سکڑے۔  
”انہیں بھی اپنے گروپ میں نہ شامل کر لیں، شانی بھی امریکہ سے آیا ہوا ہے اسے تمہاری کزن جیسی لڑکیاں بڑی پسند ہیں مزار ہے گا۔“

جنید نے تجویز پیش کی جو دونوں کو بالکل اچھی نہیں لگی۔ انہیں سراسر اپنی توہین محسوس ہوئی تھی وہ دونوں لڑکیوں کی ناپسندیدگی کو ٹھہر گئے۔  
”اس میں ہمارا تمہارا فائدہ ہے، انہیں شامل کرنے سے تمہیں آسانی رہے گی۔“ اس نے نئی چال چلی تو دونوں نے اطمینان کی سانس لی۔

انہیں نے اگلی ملاقات پر شانی کو بھی بلا لیا وہ اس زوردار تجویز پر پھر ٹک گیا افشاں اور غمار آج جلدی چلی گئی تھیں وہ تینوں ہی بیٹھے تھے۔  
”میں ملا ہوں ان کی کزن سے کیا زوردار چیز ہے، دور سے ہی کرنٹ مارتی ہے قریب آنے پر جانے کیا حال ہو، وہ وائٹل سائز کا نیا گانا

سنا ہے یا روہی والا۔

”نہیں ملے تو یہ حالت ہے چہو کے کہیں مرنے جاؤں۔“

خاور نے اسے یاد دلایا شانی نے سر ہلایا۔

”واقعی ایسی ہے تو پھر طواوٹاں دیکھوں گا کرنٹ کیسے مارتی ہے“ اس نے آنکھ ہائی۔

”وہ بہت کم عمری ہے یہ افشاں اور غمار تو ”کچی پکی“ سی لگنے لگی ہیں پہلے والی بات ہی نہیں رہی ہے پر ان کی کزن آئی سویر بڑی الونسٹ اور کچی کچی کی طرح ہے“ جنید نے تعریف کی۔

”اور تمہیں تو پتہ ہے مجھے کلیاں کتنی پسند ہیں، دانش نے دونوں کے زانوؤں پر ہاتھ مارا تو تینوں ہنسنے لگے۔

”پھر کب طوار ہے ہو“ دانش عرف شانی بے قراری سے بولا۔

”اگلا مال آنے تک اس سے پہلے ممکن نہیں ہے افشاں اور غمار بھی محتاط ہو گئی ہیں“ خاور نے نکھینچا بتایا۔

آج افشاں اور غمار صبح باب کو خود لے کر یونیورسٹی گئیں۔ وہ پریشان سی ہو گئی، کیونکہ گاڑی یونیورسٹی والی سڑک پر نہیں چل رہی تھی۔

”ذرا ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں مجھے ذرا لکی سے کام ہے۔“ غمار نے اس حدید کا لوٹی میں بنے ایک پچھلے کے آگے گاڑی روکی تو وہ اور بھی پریشان ہو گئی حالانکہ ابھی صرف آٹھ۔۔۔ بجے تھے پہلا سیریلو بجے ہوتا تھا چند منٹ بعد غمار واپس آ گئی اور ان دونوں کو بھی اترنے کا اشارہ کیا تا چار افشاں کے ساتھ وہ بھی باہر آ گئی۔ ”کلی آمد ہلاڑی ہے“ اس نے بتایا۔ ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی اندر آ گئی، کمرؤں کی حالت سے یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں عورت کا وجود ہی نہیں ہے مگر غمار تو مسلسل کچی لکی کئے جا رہی تھی اور پھر کچی کو بھی اس نے دیکھ لیا تین لڑکوں کے درمیان بیٹھی کندھوں تک تراشیدہ بانوں اور سرخ سرخ آنکھوں والی یقیناً لڑکی لکی ہی تھی باب، خاور اور جنید کو دیکھ کر چمک گئی وہاں ایک اجنبی شکل بھی تھی۔

”بائے آئی ایم کچی اینڈ سی از مائی براڈرز جنید خاور اینڈ دانش“ اس نے اک ادا سے تعارف کرایا۔

باب کو جان کر ڈھارس سی ہوئی کہ تینوں لڑکے اس کے بھائی ہیں وہ دیکھ رہی تھی کہ لڑکے بہن کی موجودگی میں مودب بنے بیٹھے ہیں وہ تینوں باتوں میں لگ گئیں باب بیزاری محسوس کر رہی تھی اجنبی صورت لڑکا اس کی بیزاری محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”پڑھتی ہیں آپ“ شانی نے اس کے سادہ و جید کھنڈے کو دیکھا۔

”کئی ہاں بی اے آنرز کر رہی ہوں“ اس نے اعتماد سے بتایا۔

”آپ کو دیکھ کر لگتا تو نہیں ہے کہ آنرز کر رہی ہیں سچ شکل سے تو بمشکل میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی ہیں“ اس نے سچائی سے بتایا واقعی وہ بڑی دھان پان اور نازک سی تھی چہرے پر بھی بھولہ پن اور معصومیت تھی ابھی گزشتہ ماہ ہی تو وہ پورے اٹھارہ برس کی ہوئی تھی کوئی گندی سوچ اسے چھو کر نہیں گزری تھی کردار کی چمک اور مضبوطی چہرے سے عیاں تھی۔

”واقعی یہ تو بیان کی گئی تعریف سے بھی زیادہ زبردست ہے۔“ شانی دل میں بولا۔ پھر باب نے ہی بار بار ”انھیں ناں“ کی رٹ لگائی تو افشاں اور غمار نے چار کچی سے اجازت لے کر آ گئیں۔

تائی رقیہ نے اپنے ہم پلہ گھرانے میں فہد کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ آمنہ اور رفعت دل سے ناراض تھیں کہ کیا بھابی کو ہماری بیٹیاں نظر نہیں آئیں مگر انہیں نے مکمل کرنا رفتگی کا اظہار نہیں کیا بخارہ اسماء اور افشاں کے رشتے کی بات رقیہ نے ہی کہیں جاننے والوں میں چلائی ہوئی تھی وہ پورے گھر پر حاوی جو تھیں کسی کی مجال نہ تھی کہ چوں بھی کر بناوی طور پر انہوں نے حاکمانہ حراج پایا تھا سو دیوانیاں خاموش تھیں۔

فہد نے اس رشتے کے طے ہونے پر کوئی سرگرمی نہیں دکھائی وہ بھاسا رہتا تھا باقاعدہ طور پر اس کی منگنی ایرج سے کر دی گئی گھر میں وہی ایک کنوارہ تھا رقیہ اس فرض سے بھی جلد سبکدوش ہونے کی فکر میں تھیں۔ ایرج کا گھرانہ کاروباری تھا فہد کا مستقبل خوب روشن تھا اس کے سر کی کٹی کئی فیکٹریاں چل رہی تھیں اس نے اپنے شیئرز مختلف کمپنیوں میں لگائے ہوئے تھے جس جس کمپنی میں اس کے شیئرز تھے اس کمپنی کے ریٹ آسمان سے باتیں کر رہے تھے حقیقی معنوں میں دو روپوں میں کھیل رہا تھا فہد کا وہاں رشتہ ہونے کا مطلب تھا چھری اور دو دو کیونکہ ایرج کے نام کافی جائیداد تھی، ہائی نیشل کمپنی سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی ایرج کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوتی تھی۔

رقیہ اور عطیہ عریضہ کے تو قدم زمین پر تک ہی نہیں رہے تھے صومبیہ بھابی ریحان کی پسند تھیں اگرچہ وہ بھی لمبا چڑا چیز لائی تھیں پر ان کا پس منظر دیہاتی تھا سائس سے وہ اچھا خاصہ تھی تھیں ایرج کے مقابلے میں ان کی حیثیت صفر تھی آج کل تو ایرج کے ہی گن گائے جا رہے تھے اس کی جائیداد اس کا بینک بیلنس اس کا حسن اس کی انگلیں کا ہی تذکرہ تھا وہ دونوں بہنیں ابھی سے ایرج کی ان اہول خوبیوں پر سری جازبی تھیں مرنے کیوں نہیں اتنی زبردست بھابی ملی تھی۔

رقیہ کی کوششوں سے اسماء اور افشاں کا رشتہ بھی ایرج کے جاننے والوں میں ہو گیا تھا وہ لوگ ایرج کے باپ کے اسٹینس سے بہر حال کم تھے۔ رفعت اور آمنہ ان رشتوں پر خوش نہیں تھیں اپنی بیٹیوں کے لیے تو اتنے امیر گھرانے چنے تھے اور افشاں اور اسماء کے لیے عام سے لڑکے پسند کئے تھے جن کے پاس لمبی چوڑی جائیداد بھی نہ تھی اور رہتے بھی ایک سو بیس گز کی کوٹھی میں تھے دونوں نے دہلی دہلی زبان میں ناپسندیدگی کا اظہار کر ہی دیا رقیہ کے تو پچھلے لگ گئے یوں یہ رشتہ ختم ہو گیا فہد کے سسرال والوں نے بھی اس سلسلے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا مگر پھر رفتہ رفتہ حالات معمول پر آ گئے تائی رقیہ ایک بار پھر لڑکیوں کے لیے رشتہ ڈھونڈنے میں سرگرم عمل ہو گئیں۔ اس دوران انہیں ایک بار پھر تنگ کا دھپن نہیں آیا جو خیر سے افشاں اسماء کی ہم عمری تھی جو کچھ کرنا تھا عمارہ نے ہی کرنا تھا وہ واقعی کل کی طرف سے فکر مند تھیں، کل چوبیسویں سال میں تھی ابھی تک ایک رشتہ بھی نہیں آیا تھا ان کی پریشانی فطری ہی تھی مشرقی معاشرے میں مائیں لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی جینز بنانا شروع کر دیتی ہیں اس حساب سے تو بچل کی کافی عمر ہو گئی تھی پھر باب بھی تھی جو بچل سے کافی چھوٹی تھی پھر اس کی شادی بھی کرنی تھی عمارہ کو زیادہ پریشانی اسی کی تھی کیونکہ وہ نفسیاتی مرینہ کے نام سے مشہور تھی سب کے رویے بھی سامنے تھے ان کی بیٹیوں کا کسی کو بھی دھیان نہ تھا۔

ایک دن مسز جواد بچل کے پاس آئی ہوئی تھیں۔

”تم ایسے کرو یہ کپڑے ڈیزائن کروہ میری ایک جاننے والی ہیں ان کا یونیک ہے میں وہاں رکھوا دوں گی کچھ عطا قائی ڈریس بھی، ذرا جدید

طریقے سے تیار کر دی تھی صنعتی نمائش میں سناں لگا لیں گے انہوں نے اس کے کپڑوں کا ڈھیر سا رکھ دیا کھلنے والی ہاں لیا کہ وہ تمام کپڑے تیار کر دے گی۔  
 کچل بڑی آرٹسٹک اور تحقیقی ذہن کی مالک تھی عام سی چیزوں کو بھی وہ سلپتے سے کارآمد بنا لیتی تھی۔ ان کے گھر کے واحد کمرے میں عید  
 کارڈز سے بنی بیٹنگو بنی ہوئی قمیصیں یوں لٹکتی تھیں کہ کسی ماہر مصور کی کاوش ہے مگر سارا کمال کچل کا تھا۔ کپڑوں کی سلائی کٹائی کے لیے اس نے کوئی کورس  
 نہیں کیا گھر میں ہی عمارہ سے سب کچھ سیکھا۔ کچل نے دن رات ایک کر کے تمام سوٹ کھل کئے اور مسز جواد کو بھجوا دیئے وہ ایک ہفتے بعد آئیں تو نوٹوں  
 کی موٹی سے گنڈی اسے تھمائی اس کے تیار کردہ ملبوسات بک گئے تھے اب انہوں نے ایک جوڑا اس کے سامنے رکھی۔

”میں تمہارے ملبوسات کی مقبولیت دیکھتے ہوئے اپنا ذاتی بونٹیک کھولنے کا پروگرام بنا رہی ہوں، اس کے لیے میں نے کچی آبادیوں میں  
 جا کر کچھ ہنرمند عورتوں سے بھی رابطہ قائم کیا ہے وہ نہایت کم معاوضے پر کام کرنے کے لیے تیار ہیں میں نے سلائی مشینیں بھی خرید لی ہیں گھر کا ہال  
 خالی کر دیا اگر اسی مقصد کے لیے تیار کیا ہے تمہارا کام بس یہ ہوگا کہ تم ڈیزائننگ کرو گی دو عورتیں سمجھیں گی جب ہمیں زیادہ اور ڈیزائننگ کے تو تمہارا  
 معاوضہ بھی بڑھتا جائے گا کافی الحال ایک عام لباس پر تمہارا معاوضہ دو سو روپے ہوگا۔ ایک عام ریشمی لباس پر دو سو روپے سے فیسی سوٹ پر تین سو  
 روپے اور کاٹھار سوٹ پر پانچ سوٹیں گے ہم برائیل ڈریس بھی تیار کریں گی اسی حساب سے معاوضہ طے کریں گے“ انہوں نے بتایا۔  
 کچل کو اتنے زیادہ معاوضہ کتنی حیرت ہو رہی تھی انہوں نے اس کی حیرت بھانپ لی۔

”ہم یہ پوچھیں باقی کلاس کی ایڈیز کے لیے کھول رہے ہیں جو ایسے مجھے ملبوسات خریدنے کی ہمت و استطاعت رکھتی ہیں ابھی تو یہ ابتداء  
 ہے بعد میں دیکھنا ہم تمہاری صلاحیتوں کو کیسے کیسے استعمال کرتے ہیں۔“ مسز جواد محبت سے نہیں۔ کچل نے روزانہ دو گھنٹے کے لیے مسز جواد کے گھر  
 جانا شروع کر دیا سب نے اس پر طعنے نہ مار کس دے تھے مگر وہ جوصلے سے برداشت کر گئی تھی۔

تمام لڑکیاں ذہین تھیں کچل کو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ قاتلوں سے مجبور عورتیں اور لڑکیاں ایک ایک ہزار ماہوار کو نعمت غیر  
 مترقبہ تصور کر رہی تھیں کچل کو ان کی محنت کے مقابلے میں یہ معاوضہ نہایت معمولی لگا ہر عورت مہینہ بھر میں تین لباس تیار کرتی تھی گویا تیس سوٹوں کی  
 سلائی کا صرف ایک ہزار معاوضہ تھا اسے سچے سچے افسوس سا ہوا اگلے ماہ یہ معاوضہ بڑھا دیا گیا مسز جواد کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا کہ معاوضہ کم ہے ان  
 کے بونٹیک کا افتتاح دھوم دھام سے ایک مشہور اداکارہ کے ہاتھوں ہوا۔ ایک ماہ کے اندر تسلی بخش آمدنی ہوئی تھی دوسرا مہینہ اس سے بھی بہتر ثابت ہوا  
 دو گنی سیل ہوئی کارنگر عورتیں کام کرتی تھیں تاکہ کسٹر کو لباس میں کوئی کمی بیشی نظر آئے تو موقع پر ہی دور کی جاسکے یہ بونٹیک ایک مجھے کمرشل ایریے میں  
 تھا جو بہت جلد مقبول ہونا شروع ہو گیا کچل کا معاوضہ بھی بڑھتا جا رہا تھا اس کا اثر گھر پر بھی پڑا رہا تو بر ملا کہتی ہیں کوئی اور مکان دیکھ کر شغف ہو جانا  
 چاہیے، ویسے بھی وہ اس پوزیشن میں آگئے تھے کہ کرائے کا مکان یا آسانی انورڈ کر سکتے تھے مگر عمارہ کو یہ گوارا نہ تھا کیونکہ ان کے بیٹھ یہ پسند نہ کرتے  
 سو وہ خاموش تھیں رہا باب کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی، عمارہ نے چپکے چپکے کچل اور باب کے لیے کئی چیزیں خرید ڈالی تھیں۔

رات کو وہ تینوں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں جب باقی اماں اور دونوں بیٹیاں ان کی طرف چلی آئیں۔  
 ”خوب اب تو گویا بن رہے لگا ہے اس گھر میں“ انہوں نے چاروں طرف تنقیدی نگاہیں دوڑا کر طعنے لگا کر کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی



ہوئیں، اسد کی موت کے بعد انہوں نے آج پہلی بار یہاں قدم رکھا تھا ان کے لیے یہ کسی اعزاز سے کم نہ تھا کل بھی ہاتھ صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 ”آئیے ناں بیٹھیں بھابی“ عمار کی دلی کیفیت چہرے سے عیاں تھی۔

”بھئی کل کون سا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے جواب ادھر ہماری طرف جھانکتی تک نہیں ہو۔“ آمنہ نے تاک کرتے بار۔

”بس چچی بوتیک میں مصروف ہوتی ہوں“ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے بولی۔

”کیوں“ رقیہ کا سوال بڑا کڑا تھا اس کے پاس زبردست سا جواب تھا پر اس کی زبان تالو سے چپک سی تو گئی۔

”چچی اماں اور تائی اماں میں بتاتی ہوں کہ کیوں، اس لیے کہ نایا بابا ہمیں جو ہر ماہ اڑھائی تین ہزار روپے دیتے ہیں اس میں تو میرا خرچہ بھی پورا نہیں ہوتا پر میری صابر ماں اور بہن اپنے سلیقے سے اخراجات کو سنبھالے ہوئے ہیں کل جس آپنی کی شادی بھی کرنی ہے ان اڑھائی تین ہزار کو ہم کھائیں یا آپنی کا جہیز بنائیں یا پھر امی کی دواؤں پر خرچ کریں بتائیں ناں آپ“ رباب کھانا چھوڑ کر سامنے آگئی۔ وہ تینوں کو ہکا بکارہ گھنٹیں انہیں رباب سے اس صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔

”اے جی ہم نے بھی گھر چلائے ہیں تمہاری ماں دنیا سے خالی تو نہیں ہے“ رقیہ سے برداشت نہ ہوا بول پڑیں۔

”تائی ماں آپ نے لاکھوں میں گھر چلایا ہے تین ہزار میں چلا کر کھائیں تو مانوں“ وہ بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

”اے یہ سیدھا سیدھا انعام ہے، آئیں زاہد بتاتی ہوں میں انہیں ماں کی فیکٹری بھی سنبھالو اور باتیں بھی سنو“ رقیہ نے پرانا حربہ استعمال کیا۔

”دے دیجی پاؤ آف انارنی ہمیں واپس ہم سنبھال لیں گے“ وہ اسی ٹیون میں تھی۔

”اے خدا قیامت کیوں نہیں آجاتی، یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی۔“ رقیہ نے کمال پیٹے تو عمار اور کل گھبرا گئیں۔

”آئیں زاہد کہتی ہوں وہ کنڈر فیکٹری ان کے حوالے کر دو۔“ رقیہ پر بے ہوشی طاری ہو گئی عمار نے ان کے تلوے دبانے شروع کر دیئے

نکل بھاگ کر پانی لے آئی۔

”نری اداکاری“ رباب پر اتنا سا بھی اثر نہیں ہوا منہ بتاتی ہو باہر چلی گئی اتنے میں تاپا اور چچا بھی ادھر آ گئے رقیہ کو یوں بڑھ حال دیکھ کر پریشان ہو گئے آمنہ نے تقصیل بتائی۔

”بھابی تو کہہ رہی تھیں کہ کل ایک انٹی خاندان کا خون ہے یوں بوتیک پر بیٹھے دیکھ کر لوگ کیا سوچتے ہوں گے ہم مروت نہیں گئے ہیں جو انہیں کھلا نہ سکیں پر رباب بی بی نے تو وہ دہاتیس کی ہیں کہ الاماں، کہتی ہے کہ فیکٹری کا سارا پیسہ آپ کھا گئے ہیں تو بہ تو بہ بھائی جان کیا زمانہ آ گیا ہے۔“ یہ جھوٹ بولتے ہوئے آمنہ ایک جاٹل اور مکار دعوت لگ رہی تھیں۔

”چچی مت جھوٹ بولیں یہ آپ کے مرتبے کو زیب نہیں دیتا،“ رباب اندر آگئی تھی تاپا نے ایک بار اسے دیکھا۔

”بی بی تم بھی مجھے ایسا سمجھتی ہو کہ میں تمہارے باپ کا پیسہ کھا رہا ہوں، ابھی میرے ساتھ آفس چلو خود سارے حسابات چیک کر لو گیارہ سالوں میں اس فیکٹری پر میرا تقریباً آدھا سرمایہ خرچ ہوا ہے فیکٹری اب بند پڑی ہے میں اپنی جیب سے تمہارے اخراجات پورے کر رہا ہوں۔“

مارے درج کے تایا کالج بھی بھرا گیا۔

”رہا اب دور ہو جاؤ میری نظروں سے، میں نے تو تمہاری تربیت اس بیچ پر نہیں کی کہ بڑوں کے ساتھ بدتمیزی کرو“ عمارہ نے اسے دھکا دے کر بنایا تو وہ زور زور سے روتی باہر آگئی عمارہ معافیاں مانگ کر انہیں حریہ مضبوط کر رہی تھیں۔

اس روز وہ پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی کہ زوردار چہ چراہٹ کے ساتھ گاڑی کے نائز اس کے قریب رکے وہ ناگواری سے پیچھے ہوتی اور بے دھیانی میں گاڑی کے بیٹھے افراد پر نظر دوڑائی اندر لگی اور اس کا بھائی شانی تھا۔

”باے رہا اب کیسی ہو“ مکی گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر آئی شانی نے بھی اس کی تقلید کی۔

”ٹھیک ہوں“ اس نے رکی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

”مس رہا اب کبھی آئیں ناں ہمارے گھر“ شانی بولا

ابھی وہ اسے کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ ایک اور گاڑی آ کر رکی اندر رخسار اور افشاں تھیں۔

”اوہ تم بھی آئیں ہو، ان بہن بھائی نے ہمارے کان کھا لیے تھے کہ رہا اب کو ہمارے گھر لاؤ ناں“ دونوں باہر آگئی تھیں۔

”ہاں رہا اب آؤ ناں ہمارے مئی ڈیڑی انگلستان گئے ہوئے ہیں ہم چاروں بہت پورہ ہوتے ہیں خاص طور پر یہ شانی“ مکی بولی۔

”اچھا آؤں گی کبھی“ وہ مروت سے بولی۔

”آج کیوں نہیں ابھی چلو“ وہ اصرار کرنے لگی۔

”سوری میں نے گھر میں بتایا نہیں ہے“ اس نے شائستگی سے انکار کیا۔

”اچھا چلو آج تمہیں ہم ڈراپ کرویتے ہیں“ مکی نے آفر کی تو اس نے انکار کر دیا۔

”میں پوائنٹ سے یا آپلی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔“ اس نے رخسار کی طرف اشارہ کیا اس عرصہ میں شانی کی نظریں اس پر جمی رہیں وہ سخت

الجھن محسوس کر رہی تھی شانی اور مکی کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا اس کی آنکھیں بروقت اس نے سرخ سی دیکھی تھیں۔ پھر ان کے روکتے کے باوجود

وہ پوائنٹ کا انتظار کرنے لگی جس آتے ہی وہ ٹپک کر سوار ہوئی وہ چاروں ابھی تک کھڑے ہاتھیں کر رہے تھے۔

مسز جواد کے بھائی احتشام کو کچھ بہت اچھی لگی تھی وہ فلرٹ کرنے کا قائل ہی نہیں تھا سیدھا سبھاؤ ماں اور بہن کو ان کے گھر بھیج دیا بس پھر کیا تھا تائی اور چچی نے انہماک کی پوجہ کر دی۔

”اس لیے تو بھاگ بھاگ کر جاتی تھی اب پتہ چلا یہ سلسلہ ہے تبھی میں کہوں یہ مسز جواد ماں کو لے کر کیوں آئی ہیں“ تائی نے مکارانہ آنکھیں تمھائیں انہوں نے اپنے شوہروں کو بھی بتا دیا بس کل کا بوتیک جانا بند کر دیا گیا اور رشتے سے بھی انکار کر دیا مسز جواد بعد میں دو تین بار اس کا سبب پوچھنے آئیں تو ان کی خوب بے عزتی کی گئی انہوں نے آئندہ کے لیے توبہ کر لی احتشام کو اس انکار کا بہت قہقہہ تھا پہلی بار اس طرح کوئی لڑکی اچھی لگی تھی وہ سنجیدگی سے اسے اپنا نا چاہتا تھا ماں بہن کی بے عزتی کے بعد اسے دل پہ پھر رک کر کل کو بھٹانا پڑا۔ مسز جواد ایک غلیظ اور مخنتی لڑکی سے محروم ہو گئی تھیں جو ان کے بھائی کی محبت بھی تھی احتشام ایک کھاتے پیتے گھر کا لڑکا تھا بھی تو رقیہ آمنہ اور نفعت کے پیٹ میں دروا تھا تھا اتنے ہونہار اور کھاؤ لڑکے کا رشتہ اس مخنتی کل کے لیے آیا تھا انہوں نے ایسا سلسلہ چلایا کہ بات ہی ختم ہو گئی تب کہیں جا کر انہیں چین آیا۔

اب رہا باب باقہ عدلی اسے خوار اور افشاں کے ساتھ جاتی تھی سہولت اور آسانی کو ہر کوئی پسند کرتا ہے اگر یہ بات ہوتی تو زندگی کو آرام دہ بنانے والی مشینیں ہی ایجاد نہ ہوتیں وہ بھی بسوں کے ذمے کھا کھا کر آسانی ہوئی تھی اس روز واپسی میں شانی ٹکرا گیا وہ خوار گیسے کہہ رہا تھا جاتے ہوئے مجھے بھی ڈراپ کر دو اس نے اسے بٹھالیا رہا باب حسب معمول پیچھے بیٹھی ہوئی تھی وہ بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ افشاں اور خوار اپنی باتوں میں مگن تھیں۔

”شانی نیامال آیا ہے یا نہیں“ افشاں نے مڑ کر شانی سے پوچھا۔

”ایک دو ہفتے تک آئے گا شاید کہ بڑا زبردست ہے“ شانی نے بتایا۔

”ہائے میں کیسے دیکھنے آؤں گی“ خوار پریشان ہو گئی۔

”جیسے بردھ آتی ہو“ وہ بولا۔

”نہیں کافی دیر ہو جاتی ہے، چلو نا تم تبدیل کر لیں گے“ افشاں نے اسے تسلی دی۔

”پلیز افشاں، خوار رہا باب کو ضرور لائیے گا انہیں بھی دکھائیں گے طبیعت خوش ہو جائے گی“ وہ معنی خیز لہجے میں بولا رہا باب کبھی وہ کسی کپڑے کی باتیں کر رہے ہیں بھلا اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی وہ باہر جھانکتی رہی دلش کی نظریں اس کی بے خبری کو کھوجتی رہیں اس کے اس گریز میں اسے بہت انریکشن محسوس ہوتی تھی۔

”خیر چند روز کی بات ہے گھر آ کر مال دیکھ لے تو سیدھی قدموں میں گرے گی خود ہی ساری مشکلات ختم ہو جائیں گی“ وہ سوچ رہا تھا۔ وہ ماریہ کے ساتھ اس کی بہن کے ڈیپارٹمنٹ میں آئی تھی اس نے محبت سے حال احوال پوچھا۔ ”گڑیا تمہاری یہ کزنز بہت ایڈوانس لگتی ہیں“ انہوں نے ہنس کر طنز کیا وہ جان نہ سکی کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ گھر آ کر اس نے کل سے بھی ذکر کیا۔

”چھوڑو ہمیں کیا لینا“ اس نے کہہ کر بات ہی ختم کر دی وہ اپنے سلائی روم یعنی سنور میں آ گئی وہ آج کل دو تین اخبارات میں لکھ رہی تھی

ایک کالم کا معاوضہ اچھا خاصا تھا وہ ایک ساتھ ہی لیتی تھی تاریخیں اس کے انداز تحریر کو پسند کر رہے تھے اس کو ایک رسالے کی طرف سے بھی لکھنے کی ہائیکش ہوئی جو اس نے قبول کر لی۔

اس روز افشاں اور خمار خاصے اہتمام سے تیار تھیں یوں تو وہ روزی اہتمام سے یونورسٹی جاتی تھیں مگر آج نگ رہا تھا کہ خاصی توجہ دی گئی ہے۔ باب بنوڑ سادہ سے کاشن کے کپڑوں اور جوکرز میں تھی۔

”آؤ ذرا لگی کا حال چال پوچھ لیتے ہیں کافی روز سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے“ خمار نے راؤنڈ اپاؤٹ سے گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ باب خاموش ہی رہی گیٹ پہلے ہی کھلا ہوا تھا خمار نے گاڑی سیدھی پورچ میں کھڑی کر دی اندر سے خاور مسکراتا ہوا برآمد ہوا اور انہیں خوش آمدید کہا۔ لگی اندر شاید سو رہی تھی افشاں نے بڑی مشکل سے اسے جگایا۔

”ارے تم بھی آئی ہو“ لگی اسے دیکھتے ہی جھٹ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کتنی خوش قسمت ہوگئیں تم ہمارے گھر آئی ہو“ لگی نے اس کا گال چوم لیا تو وہ جھینپ گئی۔

”آج تمہیں لانچ کئے بنا جانے نہیں دوں گی، اچھی اچھی ٹیمیں دیکھیں گے باتیں کریں گے کیوں باب“ لگی نے پروگرام بھی سیٹ کر لیا اور اس سے تائید چاہی وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

”خبر دے میں یونورسٹی خون کرتی ہوں ایک بات معلوم کرتی ہے“ وہ موبائل کے نمبر پیش کرنے لگی۔ دو تین منٹ بعد وہ ہلٹی۔

”ایم سوئی افشاں یونورسٹی تو بنگاے کی وجہ سے بند ہے لگتا ہے قدرت بھی میرا ساتھ دے رہی ہے۔“ وہ ہلٹی، یونورسٹی میں بنگاے کا سن کر باب پریشان ہو گئی۔

”اے نہیں آتی چنتے ہیں یونورسٹی بند ہے۔“

”اے یہ نہ تو آرام سے، شام سے پہلے جانے نہیں دوں گی آئی بڑی جانے والی، میں تو تمہاری دعوت کروں گی“ لگی نے محبت بھری غٹکی سے اسے دھکا دے دو بارہ ہٹھا دیا۔

”تم لوگ بیٹھو میں ذرا فریش ہو کر آتی ہوں“ وہ چلی گئی۔ خاص دیر بعد وہ آئی ہاف سیلینڈ بلاؤز میں دہلی پتلی سی لگی اسے بڑی عجیب لگی اس کے دونوں بازو پر کہنیوں سے اوپر چھوئے چھوئے نشان نما سوراخ تھے جیسے اس کے بہت سارے انجکشن لگے ہوئے وہ ہنستے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔

”لکی کتنا انتہاء کر آؤ گی لگاؤ بھی اس شاہکار کو۔“ افشاں اور خمار کے لہجے میں اشتیاق سا تھا۔

”اک ذرا انتظار“ وہ گنگنائی اور اٹھ کر باہر چلی گئی کچھ ہی دیر بعد خاور اور جنید آگئے خاور کے ہاتھوں میں ٹرے تھے جس میں پیہی سے لبریز گلاس اور ساتھ برف کیو بس سجے ہوئے تھے انہوں نے تینوں کو ایک ایک گلاس تھمایا اور خود بھی پیہہ گئے خمار اور افشاں کی تقلید میں اس نے بھی گلاس بنوڑوں سے لگایا اور گھونٹ بھرا، آف کیسا ذائقہ تھا اس پیہی کا، معدے میں جاتے ہی اندر جیسے آگ لگ گئی صبح کا ناشتہ جوں کا توں الٹ کر باہر آ گیا اس کا سر گول گول گھومنے لگا لکی بھاگ کر آئی۔

"جاؤ خاور فرنج سے سیون اپ نکال کر لاؤ ہری اپ پتہ نہیں کوئلہ ڈرکس بنانے والی یہ کینیاں کیا کیا چیزیں ملا دیتی ہیں، میں آج ہی دکاندار سے شکایت کروں گی یہ تم نے ہمیں کیسی پیٹی دی ہے" لکی نے ڈرائنگ سے کہتے ہوئے سیون اپ زبردستی اسے پلائی تو اس کے ہوش کچھ ٹھکانے آئے۔ خاور نے بیجان خیر سالنگش میزک لگا دیا تھا بعد میں لکی انہیں اندر ایک اور کمرے میں لے آئی جو بند تھا اس نے بڑھ کر اسٹ جڈائی سامنے فریال پرٹی وی اور وی سی آر دکھا ہوا تھا۔

"لکی اپنی فریڈ ڈکو یہ سووی دکھاؤ، میں دیکھتا ہوں یہ شانی کہاں مر گیا ہے" خاور باہر نکل گیا لکی نے کیسٹ ڈال کر وی سی آر چلا دیا اسنے میں خاور اور جنید بھی آگئے ان کے ساتھ شانی بھی تھا رباب کو دیکھ کر اس نے کسی خاص رد عمل کا اظہار نہیں کیا وہ پرسکون ہو گئی فلم چلنا شروع ہوئی کچھ دیر بعد منظر بالکل تبدیل ہو گیا یہ کیسی فلم تھی رباب کا خون جیسے کھولنے لگا چہرہ سرخ ہونے لگا ہاتھ پاؤں میں سن سناہٹ ہونے لگی اس نے آج تک ایسی کوئی فلم نہیں دیکھی تھی اس کا جی چاہا یہاں سے اس کمرے سے بھاگ جائے، اس نے دائیں طرف نظر دوڑائی سب فلم میں ڈوبے ہوئے تھے وہ دیر سے تھی۔

"نہیں سوئی دیکھو اسے، تم خوش قسمت ہو جو ہمارے درمیان بیٹھی ہو انجوائے کرو جوانی انجوائے کرنے کے لیے ہوتی ہے مت خود کو سمیٹ کر رکھو" شانی کا سرخ سرخ چہرہ اور آنکھیں اسے دہلا گئیں اس کے ہاتھ میں پیٹی سے بھرا شروب والا گلاس تھا رباب نے نظریں سکرین سے ہٹائیں وہاں جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اسے دیکھ کر دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے پھر اس نے دیکھا کہ فلم دیکھتے دیکھتے خمار جنید کی طرف لڑھک گئی خاور کی کو تمام کر باہر لے گیا خمار اور جنید ایک دوسرے میں کھل طور پر گرم ہو چکے تھے اس نے شرمندگی سے آنکھیں بند کر لیں شانی کو افشاں سنبھال بیٹھی تھی یہاں تو شیطان چکر شروع تھا وہ باہر آگئی اس نے دائیں طرف بے کمرے کا دروازہ کھولا چاہا وہ چوہٹ کھل گیا اندر کا منظر دیکھ کر اس کے حواس سلب ہو گئے لکی کی ساڑھی کا پلو زمین پر پڑا ہوا تھا وہ اور اس کا بھائی (بقول لکی کے) انتہائی قابل اعتراض حملے میں تھے رباب کا دل چاہ رہا تھا اس شیطان گاؤ اور شیطان کی پھار یوں سے وہ دور چلی جائے اندر کا منظر اس کے دل و دماغ پر ایسا طاری ہوا کہ وہ بے اختیار نہیں نہیں کہتے ہوئے چھینیں مارتی باہر کی طرف بھاگی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گی۔ کسی نے اسے تمام لیا تھا اس نے بے اختیار لگا ہیں اٹھائیں آس پاس وردیوں والے کھڑے تھے۔

"کل محمد اسے سنبھالو میں اندر کا جائزہ لیتا ہوں" انسپکٹر نصیر نے اسے حوالدار کے حوالے کر دیا اس کے ساتھ لیڈی پولیس بھی تھی رباب کے حواس قحط ہوئے جا رہے تھے وہ خالی انداز کے عالم میں تھی جیسے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے چند منٹ بعد پولیس ان باقی افراد کو بھی لے آئی ان سب کے رنگ اڑے ہوئے تھے خواب کے عالم میں چلتی ہوئی وہ بند پک اپ میں بیٹھی تھی لکی خمار اور افشاں بھی اس کے ساتھ تھیں جب انہیں سلاخوں والے ہتھیاروں سے کے پیچھے دھکیلا گیا تو اسے ہوش آیا کہ کتنا بھیا تک واقعہ اس کے ساتھ پیش آچکا ہے وہ زور زور سے رونے لگی۔

"چپ کر مہارانی کل کھلا کر رو رہی ہے اگر اتنی ہی ٹکر تھی تو آئی کیوں تھی یہ رنگ کیوں گھولا" لیڈی انسپکٹر نے سلاخوں کے پار سے بید کی چھری اسے رسید کی تو وہ بلبلایا اٹھی اس کی سفید کلائی پر سرخ سانسٹان پڑ گیا تھا وہ دعا کرنے لگی کہ کاش اسے موت آجائے عمار وہ بھل کا سامنا کرنے

سے پہلے ہی اللہ اسے اٹھالے یا پھر یہ ایک خواب ہو۔ شافی، جنید اور خاور مسلسل چی رہے تھے البتہ لڑکیوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں کال کر میڈیکل چیک اپ کے لیے لے جایا گیا کئی، غمار اور افشاں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے رہا باب کی حالت تو سب سے بری تھی۔

”ادھر چلو ذرا تفتیش تو کریں“ لیڈی پولیس کی ایک اہلکار نے انہیں دھکا دیا تو افشاں کو خود پراختیار نہ رہا۔

”تم جانتی نہیں ہو میں کس کی بیٹی ہوں“ وہ غرائی پر اس عورت نے توجہ نہیں دی طویہ مسکراتی رہی۔

”بی بی یہاں آنے والی بر لڑکی شروع میں یہی کہتی ہے میں فلاں میٹرز کی بیٹی ہوں، فلاں سیٹھ کی بھانجی ہوں، فلاں ڈی سی کی رشتہ دار ہوں مگر تھوڑی دیر بعد ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے“ لیڈی پولیس نے تسخیر سے انہیں دیکھا۔

”کوڑی ایس بی صاحب آگئے ہیں انہیں لاؤ“ ایک لیڈی پولیس کا شیمیل نے جلدی جلدی بتایا۔ ”آگے لگو حوالہ آئے گا ڈی ایس بی صاحب سے تو فرشتے بھی پتا دے سکتے ہیں خواہ صورت لڑکیوں پا انہیں رحم بھی نہیں آتا ہے، ان کے پاس تشدد کے وہ نئے طریقے ہیں کہ لوہا بھی ان کی تختی سے پگھل جائے تم تو پھر تازگ تازگ لڑکیاں ہو، اس لیڈی پولیس نے انہیں ڈرایا۔ فحی ہوتے رنگ اور ہراساں شکل کے ساتھ رہا باب ان تینوں کے پیچھے پیچھے ڈی ایس بی کے کمرے میں داخل ہوئی۔

”کہاں سے پکڑا ہے انہیں انسپکٹر مراد“ وہ مودب کمرے انسپکٹر مراد سے مخاطب ہوا۔

”کل افشاں کا لونی بلاک ای بنگلہ نمبر ۶۲ سے سر“ اس نے جواب دیا

”اور کیا کیا ملا ہے وہاں سے“ ڈی ایس بی نے ایک طائرانہ نظر ان سب کے چہرے پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”سر یہ تقریباً سو سے زائد ویڈیو کیسٹس چھ کریمٹ دلائی شراب کے اور یہ بیگ اور فائبر کی ہیں شاید ان لڑکیوں کی ہیں“ اس نے میز پر رکھی چیزوں کی طرف اشارہ کیا جو اس نے کئی کے گھر سے برآمد کی تھیں۔

”مسز شاہ آپ نے انہیں کس حال میں پکڑا؟“ وہ لیڈی اسے ایس آئی کی طرف متوجہ ہوا جو انسپکٹر مراد کے پاس ہی کھڑی تھی۔

”سر اندرونی سی آر پر ظلم چل رہی تھی یہ چاروں اسی کمرے میں موقوف ازار ہے تھے جبکہ یہ دونوں دوسرے کمرے میں تھے“ اس نے لگی اور خاور کی طرف اشارہ کیا۔

”اور یہ“ اس نے رہا باب کی طرف اشارہ کیا تو انسپکٹر نصیر بول پڑا۔

”سر یہ باہر تھیں زور زور سے چیخ رہی تھیں ان ہی کی آواز نے ہمیں متوجہ کیا یہ کیس نہیں کبہ رہی تھیں۔“

”ہونہ“ ڈی ایس بی نے بنکارا بھرا اور میز پر رکھی فائبر دیکھنے لگا ایک غمار اک افشاں اور ایک رہا باب کی تھی جبکہ بیگ بھی رہا باب کا تھا۔

”تو سنو وٹس ہو تم لوگ“ اس نے بیگ سے جھانکتی کتاب پر نگاہ دوڑا کر پوچھا اور باہر کال لی۔

”رہا باب اسد کمال بی۔ اے آرزو فرسٹ ایئر“ اس نے با آواز بلند نام پڑھا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو آج آپ یونیورسٹی نہیں آئیں“ وہ ان چاروں کے پاس رک گیا اس کے نرم لہجے نے انہیں کچھ حوصلہ دلایا۔

"سرا آج یہ غلطی ہوئی ہے آئندہ ہم کبھی ایسا نہیں کریں گے" انہیں لجاجت سے بولی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے" وہ اطمینان سے بولتا ان کے سامنے ٹیبل پر تک گیا اور انپکڑ مراد کے سوا سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

"اپنے تعارف سے توفیق یاب کریں ہمیں" وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

"میں لگی ہوں یہ افشاں ہے یہ غدار ہے یہ ان کی کزن ہے پتہ نہیں ہے بھی یا نہیں" لگی نے رہاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عجیب سا

انداز اختیار کیا رہاب کی نظریں زمین میں گڑی ہوئی تھیں جیسے اس نے قسم کھائی: وہ کہ کسی کو بھی نہیں دیکھے گی گلابی ہونٹوں کو کانٹے کانٹے اس کے نچلے ہونٹ سے خون نکل آیا تھا۔

"سرم بے قصور ہیں یہی ہمیں وہاں ورغلا کر لے گئی تھی قسم سے سرم بے قصور ہیں" غمار نے روٹا شروع کر دیا۔

"پلیز آپ جیکب کر جائیں سرم اقصو وادوں کو ہی ملے گی آپ کو نہیں" اس نے ایک اڑتی اڑتی نظر رہاب کے چہرے پر ڈال کر سرم جھٹکا اور

غمرا کو تسلی دی وہ فوراً چپ ہو گئی ڈی ایس پی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ تینوں بیٹھ گئیں رہاب کمری رہی یوں لگتا تھا جیسے کوئی اسے جادو کے زور سے

بت بنا گیا ہو وہ بیٹھا تڑکیفیت میں تھی شانی خاور اور جنبہ بھی بیٹھ چکے تھے۔

"سرم ہمارے لائق کوئی خدمت" لگی ایک اداسے ٹیبل پر بیٹھے ڈی ایس پی کی طرف جھکی تو اس کی ساری کاپیو زمین کو چھونے لگا اس کی

ساری رعنائیاں چھپائے نہیں چھپ رہی تھیں۔

"اتنی جلد ہی کیا ہے" وہ ہنسا۔

"پہلے اپنے ایڈریس تو بتائیں تاکہ آپ کو گھر چھوڑنے کا انتظام کریں۔" وہ جینوں ایڈریس بتانے لگیں لگی نے ٹوکوں کو اچھا بھائی ظاہر کیا تھا

ڈی ایس پی کی نگاہ رہاب پر رک گئی۔

"بی بی آپ کا ایڈریس اور والد کا نام کیا ہے" وہ خاموش رہی اس نے دوسری بار پوچھا وہ خاموش رہی اس نے تیسری بار پوچھا جواب میں

خاموشی تھی اس نے ہاتھ میں کپڑی بید پوری شدت سے اس کی کمر پر مارا وہ چیخ پڑی۔

"میرا کوئی ایڈریس نہیں ہے میرے والد نہیں ہیں" وہ بول پڑی تھی۔

"سرم اس سے کیا پوچھتے ہیں ہم سے پوچھیں اب بھلا ایڈریس کیسے بتائے شرم جو آ رہی ہے اسے" غمار بے دھڑک بول رہی تھی۔ ڈی ایس

پی ان کے گھر فون کر کے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"تو تم لوگ پڑھائی کے بجائے یہ زہر رگوں اور دماغ میں انجیکٹ کر رہے ہو" وہ ٹوکوں کے پاس آیا بید کی چھڑی تڑا تڑیوں کی جینے پر

پڑی تو ان کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔

"سرم بے گناہ ہیں بے قصور ہیں یہ ہمیں لا کر دیتی تھی کہتی تھی کہ میرے کزن لاتے ہیں" شانی اور ان دونوں نے رہاب کی طرف اشارہ

کیا انہیں بھی اس کا نام لے رہی تھیں۔

”نی نہیں نہیں جھوٹ ہے“ رباب کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی جیسے اسے خود پر اعتبار نہ ہو۔

”میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا موت مانگو گے وہ بھی نہیں ملے گی۔“ ڈی ایس اپنی پر جنون خاری ہو گیا شائیں شائیں بید لڑکوں پر برس رہے تھے لڑکیاں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ اتنے میں زاہد، واحد اور اسرار چلے آئے ان تینوں کو تھانے میں دیکھ کر ان کا حال جو: داسو: دوا: افشائیں اور غمار نے بھی نظریں چرا لیں اس وقت ڈی ایس اپنی دوسرے کمرے میں تھا ایک بیٹھلے میں قتل کی دوہری واردات کی اطلاع ملتے ہی وہ چلا گیا تھا ان تینوں سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا انسپکٹر مراد اس کی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔

”سر آپ اپنی اولادوں کو تقبلی اداروں میں بھیج کر مطمئن کیوں ہو جاتے ہیں کیا آپ نے کبھی یہ جاننے کی زحمت کی کہ واقعی ہماری اولاد کالج یونیورسٹی ہی جاری ہے یا نہیں اور کیا آپ نے کبھی ان کے معمولات جاننے کی کوشش کی آپ کو معلوم ہے آپ کی صاحبزادیاں آج کہاں تھیں“ انسپکٹر مراد سرد لہجے میں بولا۔

”نہیں“ اسرار اور واحد کے سر ہلے۔

”یہ آج کل فٹاش کالونی کے ایک بیٹھلے میں ان لڑکوں کے ساتھ قابل اعتراض طے میں عریاں فلمیں دیکھتے ہوئے پکڑی گئی ہیں۔ ساتھ شراب کا دور بھی چل رہا تھا۔“ مراد نے دھماکہ کیا تو اسرار اور واحد لرزتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

”ڈیڈی یہ جھوٹ ہے ہمیں رباب خود لے کر گئی تھی زبردستی وہاں اس نے ہمیں کہا کہ یہ پیپی پی ہمیں کیا پتہ کہ وہ شراب تھی آئی سویر ڈیڈی یہ جھوٹ ہے۔ میری فرینڈ لکی اور اس کے بھائیوں کو بھی اس نے بکایا ہے یا کٹر یونیورسٹی میں ایک لڑکے کی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جاتی تھی میں نے بہت روکا بھی افشاں نے بھی سمجھایا مگر یہ باز نہیں آئی اسی سے یہ فلمیں لاتی تھی آج بھی یہ اس لڑکے کے ساتھ تھی ہمیں رو الود دکھا کر زبردستی اس بیٹھلے میں لے گئی ڈیڈی وہ بھگ اس کے دوست ارمان کے نام ہے۔“ غمار اور افشاں اسرار اور واحد کے گلے لگیں رو رو کر اپنی داستان سنارہی تھیں انہوں نے تو اپنے اپنے باپ کا سہارا لے لیا تھا وہ کس کا سہارا لیتی کون اس کی بے گناہی کے بارے میں ثبوت دیتا کاش خدا اسے آسمان پر اٹھالیتا یا اس بھڑکتی آگ کو گلزار میں بدل دیتا۔ پروہ نہ تو عیسیٰ تھی نہ ابراہیم وہ تو ایک عام سی لڑکی رباب تھی۔

زاہد کمال اپنی پی آر شپ سے کام لے رہے تھے بار بار فون کھڑکا رہے تھے انہیں چھوڑ دیا گیا اس تمام عرصے میں تالیابا چچا نے رباب سے کام تک نہیں کیا اس نے کئی دفعہ یونان چاہا پر کسی ناویدہ فوت نے جیسے اس کی زبان پکڑ لی۔ غمار اور افشاں کے چہرے دک رہے تھے زردی سرخی میں بدل گئی تھی چمکی ٹائیں فخر سے اٹھی ہوئی تھیں لڑکھاتی زبان رواں ہوئی تھی گردنیں تن گئی تھیں باں ایک لڑکی رباب تھی جو زندہ زمین میں دھنسنے جا رہی تھی۔

جہاں عدل کی زنجیر نصب ہے!!

وہیں کئے ہیں میرے ہاتھ اسے کبہ دینا

”بلاؤ اس کی ماں کو“ زاہد کی آواز آج سے پہلے کبھی اتنی اونچی نہیں ہوئی تھی وہ سب سنگ روم میں تھے رباب گاڑی سے اتر کر اپنے پورشن کی طرف جانا ہی چاہتی تھی کہ چچا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پورشن کی طرف دھکا دے دیا تھا اس کے آگے رحمان ہاتھ باندھے ادھر سے ادھر ٹہل رہا



تھا فہد کو تائی نے زبردستی کمرے میں بند کیا تھا جب تھانے سے فون آیا کہ آپ کی بیٹیاں یہاں پولیس کی تحویل میں ہیں تو تینوں بھائیوں کا رنگ فق ہو گیا تھا جب ہنسائی کے خوف سے ہی ان کے پسینے جھوٹ گئے تھے ڈی ایس پی نے تفصیل بھی بتادی تھی ان کی نگاہوں میں کل صبح کے اخبار کے متوقع شدہ سرخیاں گردش کرنے لگیں ”مشہور پرنس میں لفظ کمال کی پوتیاں اور تھیر آف کا مرے کے رکن کی بیٹیاں رنگ دلیاں مناتے ہوئے گرفتار ہو گئیں۔“

فہد اور ریحان کے چہرے سرخ ہو گئے تھے وہ دونوں بھی تھانے جاتا چاہتے تھے تائی رقیہ نے بمشکل دودھ کے واسطے دے کر انہیں روکا جو ان خون تھا کچھ بھی کر سکتا تھا خود آمنہ اور رنعت کے دل دلبے جا رہے تھے پتہ نہیں کیا قصہ تھا عمارہ کو دوسرے سے خبر ہی نہیں کی گئی۔ اب واپس آ کر علم ہوا تھا کہ یہ جکر ہے رقیہ، آمنہ اور رنعت مطمئن تھیں غبار اور افشاں نے اپنی بے گناہی ماں باپ دونوں کی نظروں میں ثابت کر دی تھی دیکھنا یہ تھا کہ رباب بی بی کا کیا حشر ہوتا۔ رقیہ فہد کو بلالائی تھیں۔ رباب کے ذمہ ان کے بڑے حساب تھے جن کو چکانے کا بہترین موقعہ قدرت نے از خود فراہم کر دیا۔

آمنہ جا کر عمارہ کو بلالائیں وہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں آمنہ کے لہجے میں کوئی بات ایسی تھی ضرور جس نے انہیں چو لکا دیا تھا۔ تل بھی کام ادھورا چھوڑ کر ان کے ساتھ ہولی اندر جیسے کوئی عدالت لگی ہوئی تھی اور اس کی ماں جانی کمرے کے وسط میں بھرتوں کی طرح کھڑی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے زمین پوس ہو سکتی ہے۔

”رباب کیا ہوا ہے۔“ دونوں اس کے قریب آ گئیں۔ وہ یوں ہو گئی جیسے اس کی سماعت مفلوج ہو گئی۔

آسان نہیں ہے انصاف کی زنجیر ہلانا

دنیا کو جہانگیر کا دربار نہ سمجھو!

”میری معصوم اور مظلوم بیٹیاں“ آمنہ اور رنعت نے دہائی دی غبار اور افشاں دھواں دھار رو رہی تھیں جو داستان انہوں نے تھانے میں سنائی تھی اب گھر میں نئے سرے سے سب کو سنار ہی تھیں۔

”ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا رباب نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر ہمیں جانے کیا پایا کہ ہمارے حواس سلب ہو گئے۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں ایک زبردستی ہی قلم دکھاتی ہوں پہلے بھی کئی بار اس نے آفرز کی مگر ہم ہانتی رہیں گھر میں بھی کسی کو نہیں بتایا تاکہ عمارہ چچی اور بھی خود کو مظلوم نہ سمجھنے لگیں کیونکہ ہم ان پر قلم جو بہت کرتے ہیں۔ آج بھی یہ زبردستی اپنے دوست کے ساتھ آئی اور ہمیں بٹھا کر لے گئی ہمیں کیا پتہ تھا وہاں یہ شیطانی کاروبار ہوتا تھا۔ واللہ ڈیڈی ہمارا دل چاہتا ہے خود کٹھی کر لیں اس واقعے کے بعد دل اچاٹ ہو گیا ہے۔“ غبار اور افشاں نے اچانک ہی صوفے کے ہتھے سے سر ٹکرانے شروع کر دیئے۔ آمنہ اور رنعت تڑپ کر آگے بڑھیں اور انہیں روکا۔

صرف مجھے ہی نہیں میری سوچوں کو بھی سزا دو

میں عیسیٰ نہیں ہوں مجھے سولی چڑھا دو

”نہیں نہیں یہ جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا غبار اور افشاں آپلی مجھے خود اپنی دوست لکی کے گھر لے کر گئی تھیں۔“ اس نے ڈوبتے ڈوبتے ابھرنے کی کوشش کی عمارہ اور کل دم بخود اسے دیکھنے جا رہی تھیں فہد اور ریحان ایک ساتھ دروازے کے پت پکڑے جھانک رہے تھے۔ زائد، اسرار

اور واحد تینوں رہاب کے ارد گرد کھڑے تھے۔ ریمان اور فہد بھی ان کی طرف بڑھے کھل کو ایک کتاب میں پڑھی گئی ریڈ انڈیز کی رسم یاد آگئی جب وہ کسی دشمن کا خاتمہ کرنے لگتے تو اس کے گرد گھیرا بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے اگر وہ گھیرا توڑ دیتے تو اس کا مطلب ہوتا کہ انہوں نے دشمن کو معاف کر دیا ہے اگر وہ ہنوز گھیرا برقرار رکھتے تو موت کا خونی رقص شروع ہو جاتا ہے اور گرد بیٹھے تماشا کی خاک اٹھا اٹھا کر دشمن پر پھینکتے اور نفرت کا اظہار کرتے۔

اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ ریڈ انڈیز کی بستی میں بیٹھی ہوئی ہے جہاں اس کی بہن گھیرے میں ہے۔ تائی چچی افشاں، اسما، غمار، صومیہ سب تماشا کی ہیں جو دشمن پر کسی بھی لمحے خاک پھینکنے والے تھے اور موت کا رقص شروع ہو جاتا۔

”نہیں بھائی جان یہ رہاب جھوٹ بول رہی ہے کئی بار تو اس نے ہمیں چپ رہنے کے پیسے دیئے اس کے پاس ابھی بھی چند کیسٹس ہیں اس نے ہمیں رکھنے کے لیے دیں مگر ہم نے انکار کر دیا۔“ افشاں فہد سے بولی جو خوں رنگ نظروں سے رہاب کو گھورے جا رہا تھا۔

”جھوٹ ہے یہ اللہ پاک کی قسم میرے پاس ایسی کوئی کیسٹ نہیں ہے آپ حلاشی لے لیں۔“ رہاب کو آمدید کی کرن نظر آئی جو اس نے دیوانہ وار منہ میں بند کر لینی چاہی۔

”آئیں بھائی میں دکھاتی ہوں۔“ افشاں آگے ہوئی سب گھسنے اس کی تقلید کی وہ شوروم میں گھس کر اس کا سا بن الٹ پلٹ کرنے لگی اور واقعی ٹرک کی تہ سے کیسٹس نکلیں ساتھ دوسروں نے کے مڑے مڑے ٹوٹ بھی تھے پوری پانچ کیسٹس تھیں فہد نے جھپٹ کر قبضے میں کیں اور رہاب کو کھینچا نیچے لے آیا سب سانس روکے اس کی کارروائی دیکھ رہے تھے اس نے ایک کیسٹ وی سی آر میں چلا دی اس میں جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اس کو دیکھ کر سب کے سر جھک گئے فہد نے جھپٹ کر پلگ نکالا اور وی سی آر سے کیسٹ نکال کر اپنے بولوں سے چل دی۔

”تمہیں پتہ ہے امریکہ جیسے ملک میں بھی جو خود کو فخر سے ترقی یافتہ اور روشن خیال ملک کہتا ہے وہاں بھی ایسی قمیص نہیں دیکھی جانتی تمہاری یہ ہمت کہ تم دھڑلے سے انہیں پاس رکھو۔“ فہد نے بھاری ٹوٹ سے اس کے جسم کو گھوم کر لگائی وہ ریت کی دیوار کی طرح ڈھس گئی۔

”کون ہے یہ ارمان اور اس کے ساتھ کب گئے تم نے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔“ (ایک اور ٹھوکر)۔

”بولتی کیوں نہیں ہو باپ سر پر نہیں ہے اس لیے آوارگی کا یہ عالم ہے۔“ تائی نے اس کے گال پر تھپڑ مارا۔

”میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔“ واحد چچا نے دوسرا تھپڑ مارا عمارہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں پوری شدت سے مسل دیا۔

”کمیون آوارہ جان سے مار دو، ہماری معصوم بیٹیوں پر اتنا زام لگاتی ہے۔“ آمنہ رفعت نے بڑھاوا دیا فہد نے اپنے بھاری بولوں سے اسے فٹ ہال کی طرح نکلس لگانا شروع کر دیں پہلے اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹا پھر جسم پر پہنے گئے کپڑے خون سے تر ہونا شروع ہو گئے۔ تاک سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا فہد ابھی تک جنون کے عالم میں اسے مارے جا رہا تھا اسے کیا خبر تھی اس کی ہر ضرب اس معصوم لڑکی کو اذیت کی کس کس انتہا تک پہنچا رہی ہے رہاب کے جسم سے بہتا خون دکھ کر عمارہ پر جنون طاری ہو گیا اور پانچوں کا گھیرا توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگیں واحد نے انہیں دھکا دے کر گرا دیا وہ ہمت کر کے پھر اٹھ کھڑی ہوئیں اس بار وہ رہاب کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں اس کا لبہ پوریدہ جسم دیکھ کر ان کی آئیں آسمان کا سینہ چرنے لگیں۔

"میری رہاب تو آئینہ ہے صاف شفاف آئینہ جس پر گرد کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔" دور باب کے بے جان جسم کو دیکھ کر اندازہ چم رہی تھیں۔  
 "چھوڑو دے فہم چھوڑو دے اسے مر جائے گی۔" رقیہ چیختی ہوئی بیٹے کے قریب آئیں رہاب کی حالت دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ  
 گئے۔ عمار دور باب کے اوپر اوندھی ہو گئی تھیں اب سب کو ہوش آیا کہ کیا ہو چکا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ نکل بھاگ کر ماں اور بہن کے قریب آئی۔  
 "امی ہوش میں آئیں خدا کے لیے امی ہوش میں آئیں ہماری رہاب کو ہمارے طوطے کو کچھ نہیں ہوا ہے۔ تایا اب دیکھیں ماں رہاب کو امی کو  
 کیا ہو گیا ہے۔ پلیز انہیں دیکھیں ناں۔" دوزاہد کے قدموں میں گر گئی۔

"خدا کے لیے کچھ کریں زاہد ورنہ یہ پولیس کیس میں جائے گا ابھی جان ہے اس میں۔" تائی رقیہ نے مردوں والی ہمت کا مظاہرہ کیا تھا  
 انہوں نے ٹٹول کر رہاب کی نبض چیک کی جو آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

"اگر پولیس اور ڈاکٹر نے پوچھا تو کیا کہیں گے۔" واحد اور اسرار تذبذب میں تھے۔  
 "کہہ دیں گے سیر میوں سے گری ہے بیٹی کو دیکھ کر ماں بھی بے ہوش گئی۔" رقیہ نے پروگرام بھی سیٹ کر لیا۔ ذی جان نے بھاگ کر رہاب  
 اور عمارہ کو گاڑی میں پہنچایا اس کا دل کبہ رہا تھا کچھ نہ کچھ ضرور غلط ہوا ہے۔ نکل ساکت وصامت بہن کا ہاتھ پکڑے بیٹھی ہوئی تھیں۔  
 ذی الیس پلی بکٹنگین گیلائی شاد زبان کا بیان لے کر اس کے وی آئی پی روم سے باہر نکل رہا تھا آگے سے وارڈ ہوائے اسٹریچر دھکیلتا ادھر ہی  
 آ رہا تھا اس کی وردی کے رعب سے وہ سائیڈ پر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ گزر سکے۔ بکٹنگین نے یومی اسٹریچر پر نظر ڈالی تھی یقیناً یہ وہی لڑکی تھی جو کل ان باقی  
 تین لڑکیوں کے ساتھ لائی گئی تھی اس پہ ہڈی چادر سے خون کے دو مہے بھجائے رہے تھے چہرہ بھی خشک ہوتے لبوں میں بھیگا ہوا تھا۔

ایک روز میں اس کی حالت یہ خیران ہونا وہ آگے بڑھا آیا۔

# داٹ کام



سے چھوٹی اس کے ایک ایک نقش کو اپنے اندر اتارتی رہا باب کے زخم تیزی سے بھرتے جا رہے تھے کل دن رات ایک ہی دعا مانگتی کہ رہا باب کو ہوش آجائے۔ اور پھر اس روز رہا باب کو ہوش آئی کیا کل نے اس کے گلے لگ کر عمارہ کی موت کا بتایا کل تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی حیرت کی بات یہ تھی کہ رہا باب کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں پٹکا تھا حالانکہ کل کو اس بری طرح روتے دیکھ کر کئی ڈاکٹر ذکی بھی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ اس کے ہوش میں آنے کے بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا۔

چراغ جلتے بھی کیسے جو ہواؤں کی زد میں تھے

جو بے خطا تھے ہم تو کیوں سزاؤں کی زد میں تھے

اب کے تو کوئی جڑ بھی کہیں ہر انہیں ملا!

سارے دل کے موسم اپنے خزاؤں کی زد میں تھے

مط

رات بتایا اور بتائی چھوٹے بچا کے ساتھ ان کے پورشن میں آئے رہا باب انہیں دیکھ کر یونہی بستر پر پڑی رہی۔  
 ”کل ہم نے رہا باب کا رشتہ طے کر دیا ہے اس واقعے کے بعد ہمیں بہت خوف تھا سب کا خیال ہے کہ یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے اس گھر میں بھی لڑکیاں ہیں کل کلاں کو ان کی بھی شادیاں ہونی ہیں۔ رہا باب کی شادی کے بعد یہ کام آسان ہو جائے گا کل لڑکے کی منہیں آ رہی ہیں تم مل لینا اور فکر مت کرنا ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔“ بتایا دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے کل کو قدرت کی اس قسم ظریفی پر فانی آگئی۔

شادی کی تجویز بھی رقیہ کی سازشی ذہن کی پیداوار تھی ان کا خیال تھا کہ سندرست ہونے کے بعد رہا باب بے نیام نکوار کا سلوک کرے گی اور ہو سکتا ہے کہ اپنا حصہ بھی طلب کرے ماسی خوف نے انہیں دیوروں اور دیورانوں سے مشورہ کرنے مجبور کیا سب کا مشورہ تھا کہ کچھ دے دلا کر رہا باب کی شادی کر دی جائے، عطیہ میسے آئی تو اس نے بتایا کہ کچھ لوگ ہیں اس کی ساس کے جاننے والے جنہیں اپنے لڑکے کے لیے لڑکی کی تلاش ہے خاندان میں جب بھی اس لڑکے کی بات چلتی ہے کوئی رشتہ دینے کو تیار نہیں ہوتا لڑکا پہلے اسے شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے سب ہی کہتے ہیں کہ اس نے پہلی بیوی کو قتل کیا ہے میں نے اس کی بہنوں سے رہا باب کا ذکر کیا اور ساتھ اس کی عادات کا بھی بتایا ہے وہ دل و جان سے آنے کے لیے تیار تھیں پھر میں نے سوچا پہلے آپ سے مشورہ کر لوں، اس نے بتایا تو رقیہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

دوسرے روز لڑکے کی منہیں آئی تو انہوں نے صاف صاف اپنے بھائی کے بارے میں بتایا، رقیہ نے بھی رہا باب کے بارے میں سچ بولنے کا عالمی ریکارڈ قائم کیا تھا۔

”ٹھیک ہے مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔“ سلوٹ اور گئی کی آنکھیں چمک رہی تھیں مگر آکر وہ خوب منہیں۔

”اب حرا آئے گا، بھائی سکون کو ترس جائے گا لڑکی کی نائی نے بتایا ہے کہ جس گھر میں جائے گی اندھیرا کر دے گی نحوست پھیلا دے گی

اور ہم دیکھیں گے تماشا۔“

ادھر رقیہ رنعت اور آمنہ بھی خوش تھیں۔

"سنا ہے کہ لڑکے کے غضب سے سب ہنسا دیتے ہیں اپنی رہاب کو دہا کر رکھے گا دال آٹے کا بھاؤ پیہ لگ جائے گا اوپر سے دو بچوں کو  
 سنبھالنا پڑے گا۔ ماں کے گھر کے پیش یاد آئیں گے چوں بھی نہیں کر سکے گی۔ سارا دم غم ابھی سے نکل جائے گا ہو بہا افشاں اور شمار پر الزام لگاتی تھی  
 پھا پھا کتنی کہیں کی، یہ نہ ہو رہاب کا ہونے والا شوہر کہیں بن گن ملنے پر اس کا پیہ ہی نہ صاف کر دے۔"

☆☆☆

پاک سوسائٹی  
 ڈاٹ کام

یہ میری انا کی شکست ہے نہ دوا کرو نہ دعا کرو  
جو کرو تو بس یہ کرم کرو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو  
وہ جو ایک ترکش وقت ہے ابھی اس میں تیر بہت سے ہیں  
کوئی تیر تم کو نہ آئے میرے دغم دل پہ نہ یوں ہنسو

”گڑیا اٹھو نیچے ڈرائنگ روم میں تمہاری تندیں آئی ہیں۔“ یہ اطلاع دیتے ہوئے محل کا دل کٹ سا گیا وہ پس و پیش کئے بغیر اس کے  
ساتھ ہولی سلوٹ اور مٹی تو لٹی آنکھوں سے رباب کا جائزہ لے رہی تھیں.... عطیہ اور اس کی ساس بھی ان کے ساتھ آئی ہوئی تھیں مومو، عریشہ، غدار اسامہ  
سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

”یہ ہیں رباب“ عریشہ نے طنز یا مزاح میں اس کی آمد پر تعارف کرایا۔ رباب سن کر بیٹھ گئی عریشہ مومو، عطیہ، سلوٹ اور مٹی لے کھسر پھسر کر  
رہی تھیں محل کا چہرہ باوجود ضبط کے سرخ ہوا جا رہا تھا جبکہ وہ جس کے بارے میں یہ گہرا نشانیاں کی جا رہی تھیں خاموش بیٹھی تھی محل کا جی چا رہا تھا اس  
کی بے جی پر اسے چھوڑ ڈالے وہ کیوں ایسی ہو گئی ہے کیوں اتنی مسکین اور قابل رحم نظر آنے لگی ہے۔

”محل ایک مجلس پانی مل جائے گا“ وہ عدنان کی آواز پر چونک گئی جو اس سے پانی مانگ رہا تھا وہی لمبے بالوں والا عدنان جسے رباب  
مریحی مخلوق کہا کرتی تھی۔

”رباب آپ اتنی خاموش کیوں ہیں“ وہ اٹھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اتنے میں محل اس کے لیے پانی لے آئی۔  
”آپ اس رشتے سے انکار کر دیں آپ کو خیر نہیں کہ وہ کتنا ظالم ہے شگدل آدمی ہے ایک بیوی کو قتل کر چکا ہے کسی طرح بھی آپ انکار کر  
دیں میں اس لیے آئی کے ساتھ آیا ہوں کہ حقیقت آپ کو بتاؤں۔“ کھنڈر اسامہ عدنان کتنا بڑا بڑا اور پر خلوص لگ رہا تھا۔  
”مگر ہم کیسے انکار کریں یہ ممکن نہیں“ محل کمزور لہجے میں بولی جبکہ رباب اسی طرح خاموش تھی۔

”سچ دو اس نازک سی لڑکی کا حشر خراب کر دے گا۔ درندہ ہے درندہ، آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔“ وہ دوسوڑی سے بولا۔  
جائے جائے سلوٹ رباب کے ہاتھ پر پانچ ہزار روپے رکھ گئی جس کا مطلب تھا کہ اب ہم جلدی آئیں گے مسز جواد کو بھی ظلم ہو گیا تھا کہ  
رباب کی شادی ہو رہی ہے وہ آئی تھیں حیرت انگیز طور پر آج سب کا سلوک ان کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

”محل رباب کی شادی کا جوڑا تم ڈیزائن کرنا، میں تمہیں گفٹ کر دوں گی کل میرے ساتھ بازار چننا اور تمام یہ سٹرل خرید لینا میں ٹوٹی اور  
فوزی کو بھی تمہارے ساتھ لگا دوں گی۔“ وہ غلوں سے بولیں تو وہ انکار نہ کر سکی۔

دوسرے روز جب وہ ان کے گھر گئی تو انہوں نے احتشام کے ساتھ اسے بازار بھیج دیا۔ احتشام نے کتنے دنوں بعد اسے دیکھا تھا تھا ہیں

سیراب ہی نہیں ہو رہی تھیں۔

”کل آپ نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا ہے، کیا تھا اگر آپ میری ہم سفر بن جاتیں۔“ وہ ٹوٹے لہجے میں بولا تو کل کی نگاہیں اپنے ہاتھوں کی لکیر پر جم گئیں وہ اسے کیا آس دلاتی بہن کا دکھ دل چیرے جا رہا تھا جو مردوں کی طرح خاموش اور سرد ہو گئی تھی۔

رباب کی سسرال کی طرف سے آئی شاہانہ بری دیکھ کر سب خواتین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی روئیں سلوٹ اورنگی نے دلاسہ دیا تھا۔  
”بھائی کے ارمان تو تھلنے دیں بعد میں دیکھئے گا۔“ وہ مکاری سے ہنسی تو ان کے دل کو اطمینان ہوا۔ زیادہ مہمانوں کو نہیں بلایا گیا تھا صرف لڑکے والے کے قریبی رشتہ دار تھے اور ادھر رباب کی طرف سے سب گھر والے تھے پھر بھی ہر فنکشن اریج کیا گیا تھا۔

کل رباب کے سیلے بالوں کو ڈرائر سے سکھاری تھی مہندی اس نے رات ہی میں اس کے ہاتھ پاؤں پر لگا دی تھی رباب کو سجانے کے لیے لڑکے نے بیوی پارلر میں بچک کروادی تھی مگر کل نے کہا تھا کہ میں خود اپنی بہن کو تیار کروں گی سب مان گئے تھے ویسے اسے نہیں سجانے کا تجربہ تھا پر آج اپنی بہن کو سجاتے ہوئے اس کا دل خون ہوا جا رہا تھا وہ رباب کو ایک عیاش قاتل کے لیے سوار ہی تھی جو مستدل اور خالہ بھی تھا۔

”رباب رو لو تھی بھر کر رو لو تاکہ اندر کی آگ بجھ جائے۔“ وہ ڈرائر رکھ کر دوڑا تو اس کے سامنے بیٹھ گئی اُف رباب کی خالی خالی نگاہوں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سر پہرہ دوڑا دی۔

”رباب رو لو آخری بار رو لو۔“ اس نے اس کے ہاتھ تمام لیے اس کی بے بسی پہ کل بے اختیار اس کے گلے لگ گئی وہ بہن کو دیوانہ وار پیار کر رہی تھی کہ شاید یہ پھر پھل جائے مگر رباب سوکھی آنکھیں لیے بیٹھی رہی جب نکاح کے وقت آیا، بڑے چچا اور چھوٹے چچا مولوی صاحب کے ساتھ اس کے پاس آئے تو تانیا نے بے اختیار رباب کو اپنی آغوش میں سیٹ لیا تھا انہیں یوں لگا جیسے کوئی گلیے شکر ہے جو انہوں نے گلے لگایا ہے چچا واحد اور چچا اسرار نے بھی باری باری سر پہ ہاتھ پھیر کر دعائیں دی۔

کھانے کے بعد رباب کو باہر لاکر بٹھایا گیا دو لہا کا بڑا بیٹا تقریباً آٹھ سال کا تھا وہ بھی باپ کے ساتھ آیا ہوا تھا کل نے سہلی ہار اپنے بہنوئی کو دیکھا تھا کیونکہ وہ کسی بھی فنکشن میں نہیں ملتی تھی اسے یوں لگا کہ اگر وہ گئی تو پیچھے رباب خود کو کچھ نقصان نہ پہنچا لے۔ اس نے اسے وہاں جانے سے باز رکھا تھا۔ سفید نرنگے شلوار سوٹ، سنہری کھسے اور مضبوط جسامت سمیت وہ اسے بہت بلکہ بہت ہی اچھا لگا اس کے ہارے میں سنی گئی تمام ہاتھیں اسے جھوٹ لگ رہی تھیں وہ اتنا شاعر سا مرد بھلا کیسے قاتل ہو سکتا ہے اس کی مسکراہٹ بھی غصہ کی تھی اس پہ اس کے بیٹھنے کا اشارہ آفت تھا۔ عریضہ، عطیہ، موموسب کے شوہر اس کے مقابلے میں ابو یں سے لگ رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ریاست کا بے تاج بادشاہ ہے وہ کہیں سے بھی بچوں کا باپ نہیں لگ رہا تھا ہاں رباب سے وہ نو دس برس بڑا ضرور تھا۔

”بڑی بہن کے بجائے چھوٹی کی شادی پہلے کیوں ہو رہی ہے حالانکہ لڑکا بڑی بہن کے جوڑ کا ہے۔“ کسی مہمان خاتون نے آمنہ سے سوال کیا۔ یہ عطیہ کی ساس کی دور پرے کی رشتہ دار تھیں۔ انہیں اس معاملہ پہ حیرت ہوئی ہی تھی۔

”ہات دراصل یہ ہے کہ عیب دار کے لیے عیب دار اور مومن کے لیے مومن“ آمنہ نے قہقہہ لگایا تو وہ انہیں دیکھنے لگیں۔



"بڑی بہن بھی کم نہیں ہے" رفعت نے رازدارانہ انداز میں بتایا۔ لوگوں کی اکثریت پوچھ رہی تھی کہ بڑی کے بجائے چھوٹی کی شادی کیوں ہو رہی ہے۔ رہاب میرون آف وائٹ کامی نیشن کے راجستھانی سوٹ میں بے پناہ حسین لگ رہی تھی اس کی نو عمری اور معصومیت نے اسے عجیب سا سکھار دے دیا تھا گل نے بڑی مہارت سے اس کا میک اپ کیا تھا ہر ایک کی زبان پر تعریفی کلمات تھے۔ گل نے دودھ پلائی کے بعد بہنوئی سے کوئی ٹیک وغیرہ طلب نہیں کیا جس پر اسے خاصی حیرت ہوئی وہ خالی گھاس لے کر اندر غائب ہو گئی تھی اس کا بیٹا سلجوق دہن کو بڑے اشتیاق سے دیکھے جارہا تھا بار بار وہ اس کا چہرہ چھو رہا تھا اور اس کی کلائی میں بڑی چوڑیوں کو چھیڑتا۔

رخصتی دیر سے محل میں آئی گل نے بڑی مشکل سے خود کو روکنے سے روکا ہوا تھا۔ ریحان اور چھوٹے چچا نے اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا۔ گل کی آنکھیں سمندر ہوئی جا رہی تھیں۔ "فی امان اللہ" جاتی گاڑی کو دیکھ کر اس کے لبوں سے نکلا۔

☆☆☆

# پاک سوسائٹی

## ڈاٹ کام

بے زمین لوگوں کو  
بے قرار آنکھوں کو  
بد نصیب قدموں کو  
جس طرف بھی لے جائیں راستوں کی مرضی ہے  
بے نشان جزیروں پر

سوسائٹی

بدگمان شہروں میں  
بے زباں مسافروں کو  
جس طرف بھی ہمتا دین راستوں کی مرضی ہے  
اجنبی کوئی لا کر  
ہم سفر بنا ڈالیں  
یا مسافرتیں ساری

داٹ کام

خاک میں ملا ڈالیں راستوں کی مرضی ہے  
اجنبی کوئی لا کر ہم سفر بنا ڈالیں  
ساتھ چلنے والوں کی  
راکھ بھی اڑا ڈالیں  
یا مسافرتیں ساری  
خاک میں ملا ڈالیں  
راستوں کی مرضی ہے

پھولوں سے تکی رہبازی سے گزر کر سلوط اور تلمین اسے اندر لے آئیں۔

اندہر کر رہی گلابوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا کہیں کہیں سوہے کی ادھ کھلی کلیاں بھی نظر آ رہی تھیں سامنے والی دیوار پر گلاب اور سوہے کے  
پھولوں کو باہم ملا کر دل کی شکل پر ان دونوں کا نام لکھا گیا تھا کرے کی عبادت کو دیکھ کر کہیں کے اعلیٰ ذوق کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔  
”میں سلطوق اور ہانی کو لے کر جا رہی ہوں اب صبح ملاقات ہوگی“ سلوط چلی گئی تھی بھی اس کی ضرورت کی چیزیں ڈریسنگ روم میں چھوڑ کر  
رخصت ہو گئی، جانے سے پہلے اس نے درباب کو زبردستی کھانا کھلایا تھا۔ اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں ذہن سوچوں کے

جزیرے میں غوطے کھا رہا تھا وہ چونگی قدموں کی آہٹیں اسی کمرے کی طرف آرہی تھیں وہ سیدھی ہوگئی کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔

”میں ذرا فریش ہو جاؤ پھر بات کرتے ہیں۔“

لحد بھر کو وہ بیڈ کے قریب ٹھہر کر مڑ گیا رباب کو بھی بیوی کے قاتل اور درندہ صفت شخص کو دیکھنے کی خواہش تھی کیسا تھی دار شخص تھا ایک کو مار کر دوسری لے آیا تھا شاید کل دوسری کو مار دوسری لے آتا اس نے خیال نے اسے خوفزدہ نہیں کیا تھا گزشتہ تین چار ماہ سے اس نے خوف کے وہ نئے نئے نمونے دیکھے تھے کہ اب خوف کا لفظ ہی اس کے لیے بے معنی ہو گیا تھا خوف کی اندھی تاریک گھائیوں میں پڑے پڑے اس کا ذہن روشنی سے اکتانے لگا تھا۔ کمرے میں کسی زبردست سے پرلحوم کی خوشبو پھیلی جو دھواں دھواں سے برآمد ہونے کے بعد اس نے اپنے اوپر چھڑکا تھا۔

”میں نے سوچا آپ پر پہلا ایمریشن اچھا پڑنا چاہئے“ اس نے تکیہ اٹھایا اور پیچھے سیٹ کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ رباب کو اس کی آواز جانی پہچانی سی لگی پراس کا ذہن درست جواب نہیں دے رہا تھا۔

”سب ہی کہہ رہے تھے کہ وہ بہن بڑی عیاری ہے اور تو اور میرا جتنا سلجوق بھی کہہ رہا تھا کہ میرا وہ بہن اے دن ہے“ اس نے شریر لہجے میں بولتے ہوئے رباب کا زور تار آج کھسکایا۔

”اوہ ٹوڈس از امپاسل“ سبکدوش کے منہ سے نکلا اس کی یادداشت اتنی خراب بھی نہیں ہوتی تھی کہ تین چار ماہ قبل تھا نے آنے والی لڑکی کو بھی نہ پہچان پاتا اس کو اس نے لہلہاں چہرے کے ساتھ بھی پہچان لیا تھا آج کیا مشکل تھی رباب نے آنکھیں کھول دیں سامنے حقیقت بنا وہ جلاد صفت ڈی ایس پی تھا جس کے بید کی ضرب کا نشان ابھی تک اس کی پشت پر موجود تھا۔

”تو یہ تم ہو“ وہ غرٹ سے بولا۔  
”اوہ میں بھی جان گئی ہوں کہ یہ تم ہو“ رباب کا دل اس سے بھی زیادہ غرٹ سے بولا۔

”میں اپنی خواہش سے نہیں آئی ہوں لڑکی گئی ہوں“ وہ ابکا سنبھالتی لیچا تری اس کے پاؤں کی پائس گنگنائی چیزیاں بچا لیں۔

”سنو ساتھ ہی دوسرا کمرہ ہے وہاں سو جاؤ“ وہ جانے کیا کچھ رہا تھا بول پڑا۔

”میں باہر ہی جا رہی تھی“ وہ مڑی اس کی کمر میں شاخ گل کی سی ٹپک تھی۔ وہ اس اتفاق پہ خوش نہیں لگ رہا تھا دہڑکیوں پر اسے اٹھنا اور غماز کا گمان ہوا تھا وہ بارہ پھر وہ اس کے سامنے ہی نہیں آئیں۔ اس روز جب وہ چلا گیا تھا تو بعد میں انسپکٹر مراد نے اسے بتایا کہ لڑکیوں کی بیک بہت مضبوط تھی وہ چلی گئی تھی اسے بہت غصہ آیا تھا اس کا خیال تھا کہ ان بچہ پڑے جانے والے لڑکے لڑکیوں سے ویڈیو مافیا کے خلاف اہم مواد اور کلیڈل سکتا ہے مگر مراد نے اسے ان کے چھوڑے جانے کی خبر سنا کر بدحوہ کر دیا تھا حالانکہ ان کی رہائش گاہ سے انہیں خاصی تعداد میں بلیو فلیس برآمد ہوئی تھیں۔ یہ ویڈیو مافیا ہر طرف چھائی ہوئی تھی خاص طور پر نوجوان نسل ان کا ٹارگٹ تھی سکول و کالج جانے والے لڑکے مکمل طور پر ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے ماں باپ سمجھتے تھے کہ جیسا سکول گیا ہے اور قوم کا یہ نونہال پانچ دس روپے دے کر ایک گھنٹہ سے تاریک کمرے میں بیٹھا اپنی روحانی بالیدگی کو زہر آلود کر رہا ہے جیسا سکول و کالج میں حاضر کیاں کم اور ان مٹی سینما گھروں میں جو گلی تلی اور محلے میں واقع تھے لڑکوں کی حاضریاں زیادہ ہوتیں کسی کو احساس

ی نہیں تھا کہ لو جو ان نسل جاتی کی آخری انتخاب پر جاری ہے ان قصوں کی بدولت لو جو انوں میں نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی تھیں آنکھوں سے شرم و حیا رخصت ہو رہی تھی دل سے احترام و معیت اور انسانیت کا درد ختم ہوتا جا رہا تھا خواتین کی عزت کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی تھی۔

لڑکے تو لڑکے اب لڑکیاں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہی تھیں محلے کی بروینے یو شاپ سے دس سے پندرہ روپے دے کر وہ بھی یہ قلم دیکھ سکتی تھیں اس مافیانے لڑکیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ماں باپ بے فکر تھے انہوں نے کبھی سکول یا کالج جا کر اپنے بچے اور بچیوں کی تعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا کبھی راتوں کو اٹھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ دو دو بجے تک ان کے بچے کونسا پر وگرا م دیکھ رہے ہیں کتابیں آگے رکھ کر کمرہ بند کر کے کونسا کھیل کھیلا جا رہا ہے وہ کالج ٹائم سے لیٹ کیوں آتے ہیں اس کا فکڑ عموماً ماں باں کا اس کے لڑکے لڑکیاں تھے یا جن کی جیب میں زیادہ پیسہ تھا کسی کے پاس وقت ہی نہیں تھا جو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ بچوں کی دوستی اور اٹھنا بیٹھنا کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے یہ آئے روز جیب خرچہ بڑھانے کا مطالعہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ کسی کو کیا خبر کہ اولاد کسٹائن اسٹری کی آڑ میں کیا کر رہی ہے ایک جاتی تھی جو انجیم بم سے بھی زیادہ تباہ کن تھی۔ سائنس نے بہت ترقی کی جو ممالک ترقی کے ذریعے ملے کرتے تھے ان کے ہاں اخلاق کا معیار گھٹتا گیا کسی نے تو جوانوں کی اخلاقی ترقی پر زور نہیں دیا نہ ریسرچ کی کہ اس اخلاقی تباہی کی کیا وجوہات ہیں معاشرہ دن بدن زمانہ قدیم کے غاروں کا منظر پیش کر رہا تھا اس کی ایک وجہ مذہب سے دوری اور والدین کی چھوٹ تھی سارا گھر حرے سے غیر ملکی فلم دیکھ رہا ہے درمیان میں عشاء کی آذان ہوئی کسی نے نماز پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بھائی بہن ماں باپ سب محو ہیں قلم میں، والدین تو اولاد کے لیے عموماً عمل ہوتے ہیں خود بچوں کے لیے اچھے کام کر کے مثال نہیں بننے بچے کہاں سے اچھے کام سیکھیں حدیث شریف میں ہے کہ:

”بچہ جب سات سال کا ہو تو اسے نماز سکھاؤ اور دس سال تک اگر وہ نماز نہ پڑھے تو اسے مار مار کر پڑھاؤ۔“

سات سال کے بچے سے کسی بھی بیرونی بیرون کا نام پوچھ لیں وہ فر فرمائے گا پراسے نماز کی رکعتیں یاد نہیں ہوں گی دس سال کا ہو کر وہ حرے سے قلم دیکھ رہا ہے کوئی اسے مار کر نماز نہیں پڑھا رہا ہے مائیں بڑے فخر سے بتاتی ہیں۔

”میری نو سالہ لڑکی تو بالکل غیر ملکی بیرون کی طرح جاتی ہے“

لڑکے لڑکیوں کے ہاتھوں میں تیس تیس روپے کی گانوں کی کیٹیں ہوتی ہیں جو وہ فخر سے دوستوں کو دکھا رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے کل ہی خریدی ہے کسی کے ہاتھ میں ڈھونڈنے سے بھی اسلامی کتاب نظر نہیں آئے گی قصور آخر کس کا ہے؟

سینکڑوں کو بہت خصوصاً یا تھا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی وہ لڑکیاں دوبارہ سامنے آجائیں تو وہ مار مار کر بھر کس نکال دے۔ لڑکیاں بھی تو اپنی حدود پار کر گئی تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کئی کتنی بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ جہت اسے آخر کر دی تھی پر جانے کی کوشش کی تھی وہ تینوں میک اپ کئے حسن و خوبصورتی کے تمام ہتھیاروں سے لیس تھیں ہاں وہ چوتھی لڑکی میک اپ سے مبرا تھی اس کا لباس بھی شریفانہ تھا سنوڈتس والا حلیہ تھا چہرے پر الحز پنے کی تازگی تھی۔ معصومیت تھی پکا پن نہیں تھا جو باقی تین لڑکیوں کے چہرے پر تھا بھر حال تھی تو وہ بھی ان کی ساتھی جس کے بارے میں وہ تینوں کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنے دوست کے ہمراہ ریوالور دکھا کر انہیں زبردستی لے گئی تھی۔

پھر اسے باہن میں لپیٹ لیا اور وہ حیران بھی ہوا تھا مگر اسے رحم ہرگز نہیں آیا تھا کیونکہ وہ رحم کے قائل بھی نہیں تھی اور آج وہی لڑکی زندہ، تلخ حقیقت بنی سامنے تھی کیا وہ بالکل ہی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا جو وہ آرام سے اس کی ہم سفر بن گئی تھی کم از کم ایک بار وہ اسے دیکھ ہی لیتا یوں بڑا دھوکہ نہ کھاتا کیا بھری دنیا میں یہی لڑکی اس کے لیے یہی تھی جو قفسِ فلہیں دیکھنے اور اخلاقِ سوزِ حرکات کے انعام میں پکڑ کر لائی گئی تھی۔ اسے سلوٹ اور مٹی کے آگے یوں سرگرم نہیں ہونا چاہئے تھا ہانی اور سلوٹ کا کیا تھا پل ہی جاتے پردہ یوں کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور تو نہ ہوتا۔

ہمارا کیا ہم ٹھہرے

بڑے ناداں بڑے بے حس

سدا جو درد سے بوجھل

بہت وحشی بہت خود ہیں

بس اپنے کرب سے واقف

کہاں فرصت کہ ہم سوچیں

کسی کے درد کو کھوجیں

کسی کی ہم کو کیا پروا

کسی کے غم سے کیا رشتہ

ہمارا دل نہیں رکتا

بہت طوفان جھیلے ہیں

# سوسائٹی

## طراط کام

ویسے کے کارڈز چونکہ پہلے ہی چھپ کر تقسیم ہو چکے تھے اس لیے سبکیں کو یہ تقریبِ اہتمام سے منافی پڑی اس کی سابقہ سسرال میں سے ایک شخص بھی نہیں آیا تھا۔ سبکیں کے کوئیگ اور ان کی بیگمات اسے مبارکباد دے رہی تھیں۔

"خاصی خوبصورت اور کم عمر سی ہی تمہاری دلہن۔" مسز اہمل نے سبکیں کی طرف روئے سخن کیا۔

"ہوں" اس نے ہوں پر اکتفا کیا۔

"بچوں کو سنبھال لے گی۔" یہ مسز راحت تھیں۔

"تم تو بڑے لگی ہو دوسری بار اتنی پیاری سی لڑکی ملی ہے ہمیں تو پہلی بار بھی....." اہمل نے وہائی دی تو مسز اہمل نے انہیں گھور کر دیکھا وہ خاموش ہو گئے۔

رقیہ، آمنہ، رفعت، سبکیں کے ملنے جتنے والوں سے مرعوب سی دکھائی دے رہی تھیں مگر بھی اتنا زبردست اور ریمسوں والا تھا ان کا خیال تھا کہ وہ شو تیس لیتا ہے ورنہ ایک ڈی ایس پی کی خواہ ہو تو ہی کتنی ہے جو وہ اتنی سی عمر میں ایسا عالیشان گھر بھی بنا لے بہر حال وہ رہا ب کی تباہی کی

خطر تھیں اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی انہیں چین نہیں آیا تھا۔ نکل رہا ب کے چہرے پر کچھ تاش کر رہی تھی۔ وہاں سنانے کے سوا کچھ نہیں تھا شاہانہ جوڑے اور قیمتی جیوہری پہننے کے باوجود وہ سوگوار لگ رہی تھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شہزادی کے جسم کی کچھ سونیاں ابھی نہیں نکلی ہیں پھر اس نے سبکدوشی کے چہرے کو کھوجا جو دوستوں کے گھرے میں قہقہے بکھیر رہا تھا وہاں ایک آسودگی کا خمار تھاجیت کا نشہ تھا۔

”رہا ب یہ قوف بھی تو بہت ہے۔“ اس نے دل کو تسلی دی تھی۔

جب سب کھانے کے لیے چلے گئے تو تب وہ اس کے قریب آئی رہا ب کی اکاہ اپنی ہتھیلی پہ مکی مہندی کے نقش و نگار میں ابھی ہوئی تھی۔ وہ کل سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی مگر اس کے حسن میں پراسراریت اور سوگواریت رہتی ہوئی تھی۔

”رہا ب کیسا نفل کر رہی ہو۔“ اس نے چابوت سے اس کے ہاتھ تھامے۔

”میرے پاس محسوس کرنے والی حس ہوگی تو محسوس کروں گی ناں۔“ اس نے عجیب سا جواب دیا اسے میں اس کی دوسری کزنز بھی قریب آ چکی تھیں۔

”رہا ب دکھاؤ تو ذرا روٹمانی میں کیا ملا ہے۔“ مومو اور عریشہ اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔

”مجھے دو ملا ہے جو کم از کم آپ کو نہیں ملا ہوگا۔“ اس کے لہجے کی کات بہت شدید تھی۔

”ری جل جلی بل نہیں گیا۔“ مومو طرہ لہجے میں یوں تو نکل کسی نئی لڑائی کے خیال سے گھبراہٹی۔

”پلیز مومو مہمانوں اور موقع کی نزاکت کا ہی دھیان کر لیں۔“ وہ ہتھی انداز میں بولی کیونکہ سبکدوشی ادھر ہی آ رہا تھا شاید سلوک اس کی انگلی تھامے ہوئے تھا وہ پھر کمرے کی طرف مڑ گیا تھا۔

سب مہمان رخصت ہو گئے تھے۔ سبکدوشی اکیلا کھڑا تھا نفل اس کے قریب چلی آئی۔

”بھائی جان رہا ب بہت حساس ہے اس کا خیال رکھئے گا کہ کہیں اسے کوئی نہیں نہ لگ جائے امی جب زندہ تھیں تو کبھی اسے سخت لہجے میں ڈانٹا تک نہیں، میں آپ سے بھی یہی توقع رکھوں گی۔“ اس کے لہجے میں بے پناہ یقین تھا۔

”اچھا اندر تو چلیں نفل بیٹہ کراتیں کرتے ہیں۔“ اس نے موضوع بدل دیا اور اسے رہا ب کے پاس لے گیا جو بیٹھی چوڑیاں اتار رہی تھی۔

”اونہیں ابھی نہیں۔“ اس نے بہن کو روکا۔

سبکدوشی بھی ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا کچی کچن میں چائے بنا رہی تھی سبکدوشی نے ہی اسے کہا تھا۔

”رہا ب ہم نے تمہارے لیے جو راستہ چنا ہے اسے کبکشاں بنانا تمہاری ذمہ داری ہے کسی کی باتوں میں مت آنا سبکدوشی بھائی بہت اچھے ہیں اور بھائی جان ہمارے اس طوطے کا بہت زیادہ خیال رکھئے گا۔“ وہ ماحول پہ چھائی بیٹھ گئی قصد اتوڑتے ہوئے رہا ب کا پیار کا نام ظاہر کر گئی جس پہ اسے بہت غصہ آیا کہ مھلا کیا ضرورت تھی اسے یہ نام بتانے کی۔

”جیسے آپ کا حکم ویسے بھی مجھے علم ہے کہ آ سکیے نہیں لگتے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔“

نگلی نے تشکر سے اسے دیکھا۔

"لو بھئی اپنی امانت اس نے تو جان عذاب میں کر رکھی تھی۔" سلوط نے چار ساڑھے چار ماد کا ایک خوبصورت اور صحت مند سا بچہ اس کی گود میں ڈالا۔

"دوبلن آپنی یہ بانی ہے میرا بھائی پیارا ہے ناں۔" سلطوق نے پوچھا سلوط اور نگلی اس کے دوبلن آپنی کہے جانے پہ جز بڑی ہو گئیں۔  
"نہیں آنٹی انگل کہتے ہیں یہ ممانیں آپنی ہیں تمہاری۔" سلطوق نے اپنی دانست میں بڑے پتے کی بات کہی۔  
"کو کب کہا اس نے تمہیں ایسا۔" نگلی کے ماتھے پر ٹل پڑ گئے تھے۔

"آج صبح کہا تھا۔" سلطوق نے بتایا تو باب اس کی سفندی پر تاؤ کھا کر رو گئی لو بھنا محسوس بچے کو یہ حقیقت بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اس کی ماں نہیں ہے سلطوق کا پاپا انگل کہنے کا بھی انداز خوب تھا سب کو کہتے تھے پر وہ باز نہیں آتا تھا وہ چٹکے چھوڑتا کہ وہ حیران رہ جاتیں۔

سب چلے گئے تھے باب نے کپڑے نہیں بدلے تھے اپنی زور زور سے چٹا رہا تھا اور انگوٹھا منہ میں ڈالے چوڑے رہا تھا قینا اسے بھوک لگی ہوئی تھی، اسے بستر پہ لٹا کر سلطوق کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایت کر کے وہ بھانگ بھانگ کچن میں آئی سیریلک کا ڈبہ سامنے کاؤنٹر پہ پڑا تھا بانی کی چٹیں اور بھی بلند ہوتی جاری تھیں اس نے ہلکا ہاتھ میں فریق سے دودھ نکالا اور سارا جگ جگ لے لے میں الٹ دیا۔ خیالہ بھر جانے کے بعد دودھ باہر نکل کر گرنے لگا پر اس وقت اسے ہوش نہیں تھا اس نے ایک اور خیالہ نکل کر اس میں سیریلک کے چارے چھپے ڈالے اور دودھ کس کرنے لگی۔ جب دودھ واپس کمرے میں آ رہی تھی تو شرارے میں الجھ کر گرتے گرتے بچی دو پستان سے چھڑا کر اس نے وہیں باہر ہی پھینک دیا۔ بانی بے تاب سے ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا۔

"دوبلن آپنی بھائی کا فیڈر بیگ میں پڑا ہوا ہے آنٹی دے کر گئی تھیں۔" سلطوق نے شولڈر بیگ سے اسے بانی کا فیڈر نکال کر دکھایا۔  
وہ آدھا کھار با تھا اور آدھا اس کے کپڑوں پر گر رہا تھا۔ بیکٹین یہ سھر دیکھ کر اندازہ کیا۔ بانی کھا کر پرسکون ہو چکا تھا اور وہیں اس کی آغوش میں لڑھک گیا تھا۔ وہ بھی صوفے پر آرام دہ اسٹائل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ بانی کو اس کی نرم نرم آغوش میں اور اسے بانی کے محسوس وجود میں پناہ مل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی سو رہی تھی۔ سلطوق بیکٹین کی گود میں بیٹھا اس کے کان کھار رہا تھا۔  
"آؤ پارہم بھی سوتے ہیں۔" وہ اٹھا تو اس نے روک لیا۔

"اتنی جلدی۔" وہ ہنسا۔

"میں رات سے جاگ رہا ہوں صبح سے مہمانوں کے ساتھ لگا ہوا ہوں، ابھی بھی جلدی ہے۔" وہ سلطوق کو سمجھاتے ہوئے بولا تو اس نے فوراً سر ہلایا جیسے اس کی سمجھ میں آ گئی ہو۔

دوسرے دن بھی بیکٹین گھر پر تھا۔ تینوں وقت کا ناشتہ کھانا سلوط کی طرف سے آیا تھا وہ کھانا کھا کر برتن کچن میں چھوڑ کر آئی۔ سلطوق اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی کمرے تک آئی۔ سلطوق تو باپ کے پاس ہی سوتا تھا۔ بانی کا کمرہ الگ تھا۔ اس کے کمرے میں ایک بے بی کات کے علاوہ جہازی ساز ڈٹل بیڈ بھی بچھا ہوا تھا۔

”سلہوق کس کے پاس سوؤ گئے؟“ اس نے پوچھا۔

”آپ کے پاس۔“ وہ بلا تامل بولا۔ رہاب نے بے بی کاٹ میں سوئے ہانی کو اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور پانچٹی پر پڑا کھل کر اسے اوڑھ لیا۔ سلہوق کے کپڑے بدلوانے کے بعد وہ خود بھی باتھ منہ دھونے واش روم میں گھس گئی۔ تو لمبے سے منہ خشک کرتی وہ باہر لگی تو ٹھٹھکی گئی۔ سبکدوش بیڈ پر جھکا سوئے ہوئے ہانی کو پیار کر رہا تھا۔

”پیارا انگل ہم تو دو بہن آپنی کے پاس سوئیں گے آپ کہیں سوئیں گے؟“ سلہوق نے اسے یوں اطلاع دی جیسے کہہ رہا ہو کہ اب آپ کیا کریں گے؟

وہ باہر نکل گئی چند منٹ بعد واپس آئی کہ شاید وہ جا چکا ہو مگر وہ تو وہیں تھا اتنے میں فون کی بیل بجتی تھی تو وہ اٹھ کر سننے چلا گیا۔ رہاب نے دروازہ بند کیا اور کھل میں گھس گئی۔

صبح اس کی آنکھ ہانی کے رونے سے کھلی وہ اسے ساتھ اٹھائے کچن میں آگئی جہاں سبکدوش پہلے اسے ہی موجود تھا۔ وہ ٹیبل پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اسے نظر انداز کرتے ہوئے رہاب نے فریق سے دودھ نکالا۔ اب چوبہا جانا مسئلہ تھا کیونکہ ہانی اس سے الگ ہونے کے لیے تیار نہیں تھا وہ ماحس و محسوس رہی تھی کہ ہانی چلنے لگا۔ وہ باپ کے پاس جانے کی ضد کر رہا تھا سبکدوش نے اسے لے لیا تو رہاب نے ہانی کے لیے دودھ گرم کیا اس کا فیڈر دھویا۔ دودھ ٹھنڈا کر کے بوتل میں بھرا۔

”اسے بچھدے دیں۔“ وہ ننگ ہیں جھکائے اس کے قریب آگئی۔

”اس میں اتنا سنسنے کی کیا ضرورت ہے۔“ سبکدوش نے ہانی کو اس کے بازوؤں میں دینا چاہا پر وہ شاید شرارت کے موڈ میں تھا باپ کے سینے میں منہ چھپانے لگا۔

”ہانی یہ دیکھو۔“ رہاب نے اسے فیڈر دکھایا تو وہ رام ہو گیا۔ وہ اسے لے کر اندر آگئی۔ دودھ پی کر وہ پھر سو گیا۔ اتنے میں سلہوق بھی اٹھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ دوبارہ کچن میں آگئی اور چائے کا پانی رکھ کر آلیٹ بنانے لگی۔ جب تک چائے تیار ہوتی اس نے سلاکس بھی سینک لئے۔

”دو بہن آپنی میں پراٹھا کھاؤں گا۔“ سلہوق نے فرمائش کر دی اتنے میں سبکدوش بھی چلا آیا۔ نہایا دھویا خوشبوؤں اور آفٹر شیو لوشن کی تازگی میں بسا وہ کرسی چھینٹ کر سلہوق کے برابر بیٹھ گیا رہاب نے جیسے جیسے اس کی فرمائش پوری کی کیونکہ اسے پراٹھا زیادہ اچھا نہ تھا نہیں آتا تھا۔ گرم گرم چائے کا قہر ماس رکھ کر جانے لگی تو سلہوق نے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا آنکھل قہام لیا۔

”دو بہن آپنی آپ بھی میرے ساتھ ناشتہ کریں ناں۔“ اس کی محسوس ہی فرمائش وہ روز نہ کر سکی۔

دل مضبوط کرتی وہ نک گئی۔ جب وہ برتن سمیٹ کر نکل رہی تھی تو وہ تیار تھا۔ ڈیوٹی پر جانے کے لیے سلہوق گاڑی تک اس کے ساتھ آیا سبکدوش اسے پیار کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا وہ اندر چل گئی۔ ادھر وہ نکلا ادھر سلوٹ آگئی وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ رہاب کو الجھن سی ہونے لگی۔

”ناشتہ کر لیا ہے۔“ اس نے سوال کیا تو رہاب نے اثبات میں سر ہلایا مگر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔



"بھائی کارویہ کیا ہے تمہارے ساتھ، ویسے خوش تھی میں مت رہنا کئی بیوی کو تو اس نے ترسا ترسا کر مارا ہے۔" دوسرگوٹی میں یولی تو رہا اب عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

گھر صاف کر کے اس نے بطوق اور بانی کے کپڑے بدلے پھر دوپہر کے لیے کھانا بنانے لگی وہ اب خود قارغ ہو کر ہانوں میں برش کر رہی تھی کاموں میں ایسی کتنی تھی کہ کتنی کرنے کا نام ہی نہیں ملا۔

فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی اس نے بطوق کو اٹھانے کا اشارہ کیا۔

"پپا اٹکل ہیں آپ کو بار ہے ہیں۔"

"کبہ دو میں نہیں ہوں۔" بطوق نے جوں کا توں کبہ دیا کہ وہ کبہ رہی ہیں میں نہیں ہوں۔ سہتکین چپ کر رہ گیا۔

☆☆☆

"ڈارنگ یہ تمہاری نئی مچی ہیں" پیانے پیار سے اس کے رخسار چھو کر اپنے ساتھ کھڑی ایک پیاری سی عورت کا تعارف کرایا تو سہتکین نے سراپا اٹھایا۔

"پپا میری مچی اللہ کے پاس چلی گئی ہیں اور جو اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے، آپ نے خود مجھے بتایا تھا۔" وہ ناراضگی سے بولا تو انصر، فرزا کو دیکھ کر رہ گئے۔

"بیٹا یہ نئی مچی ہیں پرانی والی اللہ کے پاس ہیں یہ اب ہمارے ساتھ رہیں گی کیوں فرزا اب تم ہمارے ساتھ رہو گی ناں۔" انہوں نے تاکید چاہی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مگر میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گا یہ گھر میرا آپ کا اور پرانی مچی کا ہے۔" سہتکین نے یکا یک بغاوت کر دی یوں اول روز سے ہی فرزا اور چار سالہ سہتکین میں ٹھن گئی۔

انصر شبانہ کی وفات کے چار ماہ بعد ہی فرزا سے شادی رچا بیٹھے تھے جس کا شبانہ کے ماں باپ کو بے حد قلق تھا اس کے بیرون ملک مقیم بہن بھائیوں نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا تھا کہ ابھی تو آبی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے۔ فرزا انصر کی پرسل سیکرٹری تھی شبانہ کی موت کے بعد اس نے اپنے پاس کے زخمی دل پر اپنی محبت کا مرہم رکھا بہت جلد انصر بیوی کی موت کا غم بھول گئے اور فرزا کی جو شر ہا اداؤں کا شکار ہو کر اس سے شادی کا وعدہ کر بیٹھے حالانکہ شبانہ سے انہوں نے لو میرج کی تھی جو محبت دوسرے فریق کی جسمانی خوبیوں سے کی جاتی ہے وہ اسی طرح گرد راہ ہو جاتی ہے جیسے کہ انصر نے کیا تھا۔ شبانہ کی وفاتیں اس کے حسن کا جادو اس کے مرتے ہی بیکار ہو گیا تھا۔ وہ فرزا کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے جس کا انجام شادی پر کھل ہوا۔ انصر اور فرزا دن پر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ فرزا اتیار ہو کر باہر لاؤنج میں آئی تو سہتکین ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ فرزا کے گلے میں چمکتے ہیروں کے نیپکلس پر اس کی نظر پڑی جو اس کی مچی کا تھا بس پھر کیا تھا دو دو ذکر فرزا سے لپٹ گیا اور نیپکلس اس کی گردن سے نوج کر الگ کر ڈالا۔

"یہ میری مچی کا تھا کیوں پہنا آپ نے۔" وہ سختی سے اسے دبوچے ہوئے تھا اپنے ہم عمر بچوں کی نسبت وہ کافی طاقتور تھا غیر معمولی طور پر

صحت مند اور خوبصورت سے سبکدوشی سے فرزا کا رکھانے لگی تھی اس وقت بھی زور زور سے چیخ شروع کر دیا۔ انعر نے کی تاٹ لگاتے لگاتے بھاگے آئے۔  
 ”اس نے مجھے مارا ہے میرا گلا دبا یا ہے۔“ وہ آنسو بھری نگاہوں سے اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ انعر نے زوردار چھڑا سے رسید کیا وہ  
 صوفے پر جا گرا۔

”یہ تمہاری مٹی ہیں عزت کرو ان کی۔“

وہ قبر بھری نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے پھر انہوں نے محبت سے فرزا کی کمر میں بازو ڈالا اور اندر لے گئے۔ آدھے گھنٹے بعد فرزا اور  
 انصر دوبارہ جیتے مسکراتے برآمد ہوئے فرزا کے گلے میں وہی نیپکس تھا۔ سبکدوشی روتے روتے وہیں سو گیا تھا۔

☆☆☆

سلوک اسے زبردستی سبکدوشی کے کمرے میں لے آیا تھا پھر انہوں نے مصنوعی لڑائی لڑی چلاتیں لگائیں اور وہیں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے  
 لگے۔ بانی بھی ان کی حرکتوں سے کلف اندوز ہو رہا تھا۔ بار بار فضا میں ناکیں چلاتا اور قفل کر کے بنسا۔ سبکدوشی کے آنے کی انہیں خبر ہی نہیں ہوئی وہ  
 تینوں حمرے سے اس کے بیڈ پر بیٹھے تھے۔ رباب کی گود میں بانی تھا دوسری طرف سلوک تھا۔ اس نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر کا جائزہ لیا وہ کارٹونز  
 میں مگن تھے وہ باہر آ گیا۔ فریش ہو کر یونیفارم سے جان چھڑائی اور دوبارہ اپنے بیک روم میں آیا۔ دروازہ بند کر کے وہ ان تینوں کی طرف بڑھا۔ سلوک  
 نگاہ ڈال کر دوبارہ کارٹون دیکھنے لگا۔ بانی صاحب بھی بے نیاز بنے رہے اور جوان دونوں کی درمیان چھی وہ تو تھی ہی بے نیاز، سبکدوشی بکیر لے کر ان  
 کے پیچھے دروازہ ہو گیا۔ رباب کا ننھا سا دل دھک دھک کرنے لگا۔

”سلوک تم اپنے پیچھے کے پاس جاؤ میں ابھی آتی ہوں۔“ اس نے بازو کے ساتھ لٹکے سلوک سے سرگوشی کی۔

”نہیں۔“ سلوک نے پیچھے سے آکر دونوں بازو اس کی گردن میں ڈال دیے۔ وہ پیچھے کی طرف اٹھتے اٹھتے پیچھے یہ شکر تھا کہ بانی بیڈ پر تھا۔  
 اس کا دوپٹے سبکدوشی کے اوپر جا کر اتھا اس کا دل گھبرانے لگا اس نے سبکدوشی کے اوپر سے اپنا دوپٹا اٹھا ناچا باتو اس نے رباب کا ہاتھ تھام لیا۔

”فون کیوں نہیں ریسیو کیا تھا“ وہ رعب سے بولا۔ رباب کا ہاتھ اس کی گرفت میں پسینے سے بھیک گیا۔

”جواب دو۔“ اس کا ہاتھ رباب کی کلائی میں جیسے پست ہو جا رہا تھا۔ ”بولتی کیوں نہیں ہو۔“ اس نے جھٹکا دیا تو وہ اس پہ جھک سی گئی۔

”مجھے نہیں پتہ۔“ وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی سلوک اور بانی ٹی وی میں مگن تھے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ بہت بے ہاک شخص ہے  
 تھانے میں بھی بکی کے ساتھ اس کا رویہ رباب کو یاد تھا۔

☆☆☆

شادی کے دو ماہ بعد فرزا اپنی مٹی اور پھوپھو کو بھی لے آئی بھول اس کے میرے علاوہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ سبکدوشی کے عین  
 سامنے والا کمرہ انہیں دے دیا گیا دوسرا کمرہ اس کی پھوپھو کے بیٹے اور تیسرا ان کی بیٹی کا تھا۔ اسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں تھے فرزا کی مٹی بلند آواز میں  
 بولتیں تو اسے یوں لگتا جیسے کوئی جادو گرنی چنگھاڑ رہی ہے اس کی پھوپھو کا بیٹا اور بیٹی بھی اسے پسند نہیں تھے۔ حسن چودہ سال کا بڑی مضبوط کاٹھی والا

لڑکا تھا ہر وقت اونچی آواز میں ڈیک سنتا رہتا پھر اس کی بہن بھی وہ سبکیں سے تین سال بڑی تھی جو اس کی سپورٹس سائیکل لان میں دوڑاتی رہتی۔  
 چیا بھی ان کے حمایتی ہو گئے تھے وہ اندر ہی اندر ٹھٹھا جارتھا۔۔۔۔

فرز کی مٹی اور پھوپھو کی غیر موجودگی میں اسے کینہ تو ذنظروں سے ٹھوڑا کرتیں جابلوں کی طرح ”سن لڑکے“ کہہ کر بلاتیں وہ خون کے  
 ٹھونٹ پی کر رہ جاتا حسن بھی اپنے اکثر کام اسی سے کر داتا وہ مگر یٹ بھی پیتا تھا اس نے اکثر دیکھا کہ نئی مٹی فرزا پیا سے چھپ کر اسے پیے دیتیں پھر  
 وہ اسی کے سکول میں داخل ہو گیا تھا پیا اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے نیا یونیفارم بھی دلا پاتھا۔ سبکیں کو ان سے بہت شکایات تھیں وہ پہلے کی  
 طرح اس کے ساتھ باہر نہیں جاتے تھے نا سے آئیں کریم کھلاتے نہ رات کو اپنے پاس سلاتے۔۔۔۔

☆☆☆

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

”رہا باب، ہانی اور سلجوق کو سلا کر میرے بندروں میں آنا۔“ وہ دروازے سے کھڑے کھڑے پلٹ گیا تھا اس کے لہجے میں مخصوص باروا بھی نہیں تھا پھر اس نے کیوں اسے بلایا تھا۔ سلجوق تو جلدی سو گیا تھا۔ ہانی دیر سے سویا۔ وہ اپنی ہی سوچوں سے بچتی من من بھر کے قدم اٹھاتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ نائٹ لب جل رہا تھا۔ سبکدوش بنیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ کبل اسی طرح نہ شدہ پائنتی کی طرف پڑا ہوا تھا اور اس سخت سردی کے عالم میں بھی وہ بکلی ہی شرٹ پہنے ہوئے تھا جس کے اگلے تمام بٹن کھلے ہوئے تھے۔ رہا باب کو اسے اس طے میں دیکھ کر شرم ہی آگئی حالانکہ وہ اس کا شوہر تھا وہ دروازے کے پاس رک ہی گئی تھی جانے وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔

”آؤں رک کیوں گئی ہو۔“ اس کی آواز ابھری تو اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئیں حالانکہ اس کے لہجے میں ”پیغام“ نہیں تھا۔ سبکدوش اس کی ہچکچاہٹ بھانپ گیا۔ نیو لائٹ آن کر کے اٹھ کر بیٹھ گیا ایک دم دعوت تھا اور اسے ماحول کا طے ٹوٹ گیا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

”رہا باب میں تمہاری پسند کی مووی لایا ہوں۔“ وہ بولا تو رہا باب کو حیرت سی ہوئی کیونکہ وہ فلمیں تو کیا ڈرامے بھی نہیں دیکھتی تھی۔ یہاں کی موت کے بعد انہیں اوپر شفقت ہو کر پڑ گیا تھا نیچے ہر کمرے میں ٹی وی اور وی سی آر تھا وہ سب کے سب نیچے ہی رہے وہ اگر کبھی کارٹون دیکھنے نیچے چلی جاتی تو تائی رقیہ کی زہریلی باتیں سن کر فوراً واپس آ جاتی پھر رفتہ رفتہ اسے ٹی وی یا فلم دیکھنے کا شوق ہی نہیں رہا حالانکہ یہ سن بھائی کا شان جو اس کے کچھ ہی سال چھوٹا تھا بہت کہتا کہ:

”آؤ میں دم اینڈ جری کے بالکل نئے کارٹون لایا ہوں دیکھتے ہیں۔“ اس کے کمرے میں بھی الگ ٹی وی تھا وہ انکار کر دیتی۔ امی کہتیں کہ ٹی وی کوئی دین ایمان تو نہیں ہے کہ دیکھنا لازمی ہی ٹھہرے پھر اس نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ دیا۔ سکول و کالج میں لڑکیاں نئے نئے ڈراموں اور فلموں کے بارے میں باتیں کرتیں تو وہ بیزاری سے وہاں سے اٹھ آتی تھی اور آج یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہاری پسندیدہ فلم لایا ہوں یہ سوٹ کنٹرول سبکدوش کے ہاتھ میں تھا ٹی وی اور وی سی آر دونوں آن تھے شاید وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”رہا باب ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔“ اس کے لہجے کی گھمبیرتا سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ خواب کے سے عالم میں جیسے پل صراط پر چلتی اس کے پاس پہنچی تھی نیو لائٹ دوبارہ بند کر کے نائٹ لب جھانپا گیا۔ کمرے میں دھن دھن کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ”ڈر کیوں رہی ہو۔“ وہ اس کے پسینے میں بھیگے چہرے کو دیکھ کر دلکش سے انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بھی دل موہ لینے والی تھی جاندار اور مقابل پر جادو کر دینے والی، مسکراتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں کے بحر پر تاثر سے بھی کام لیتا جاتا تھا۔

”یہاں آؤ۔“ اس نے رہا باب کو قریب آنے کا اشارہ کیا وہ جوتے اتار کر دھک دھک کرتے دل کو سنبھالتی اوپر بیٹھ گئی۔

”تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں۔“ اس نے رہا باب کے چھوٹے چھوٹے گداز ہاتھ تمام لیے تھپا ہوا اس کے بہت قریب تھا۔

”کئی سے پھر ملاقات ہوئی۔“ وہ دیر سے دیر سے اس کے ہاتھ کو تھپک رہا تھا وہ سن ہو گئی۔

”نہیں“ اس نے بمشکل تھوک نکالا۔

”ویسے وہ بڑی خوبصورت لڑکی ہے پر تم سے زیادہ نہیں۔“ وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

”میں پاگل، بورہا ہوں رہا اب“ وہ جذبات سے چور لہجے میں بولا۔ وہ اس کی پر جوش گرفت سے اپنا آپ آزاد کرانا چاہتی تھی مگر اس کی کوشش ناکام ہوئی جا رہی تھی وہ قریب آتا جا رہا تھا اب وہ اس کی پر جوش سانسوں کی تھک اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

”کیا لگی اب بھی انٹن اور غمار سے ملتی ہے یا وہ آتی ہے تمہارے گھر“ سبکیٹین نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

”مجھے نہیں معلوم میں اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی گزشتہ چار ماہ سے۔“ رہا اب نے حاضر دماغی سے کام لیا۔

”کیا انٹن اور غمار اس کے بعد بھی یونیورسٹی سے لیٹ آتی تھیں۔“ اس نے رہا اب کا ہاتھ ہونٹوں پر رکھ لیا اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ

انکارے اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھ دیئے گئے ہوں۔

اب وہ اس کے گل اور ہونٹوں پر اپنی انگلیاں پھیر رہا تھا۔

”رہا اب میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اس دن سے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تمہارے ساتھ میں نے جو کچھ کیا وہ سب غلط جی کا نتیجہ

تھا مگر آج میں تمام غلطیوں کا ازالہ کر دوں گا۔“ اس کا لہجہ اور بھی بھاری ہو گیا تھا۔ رہا اب کی جھنجھٹیں بازو اسے کوئی عجیب سا احساس دلا رہی تھی۔

”میری قربت سے خوفزدہ ہو، بے ناں مہی بات۔“ وہ تائید چا رہا تھا اس سے کوئی جواب ہی نہیں دیا گیا۔

”رہا اب اس روز تم خود ہی تمہیں لگی کے گھر یا تمہیں انٹن اور غمار لے کر گئی تھیں۔“ رہا اب نے ایک سسکی لی۔

”میں یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر چلی آئی تو وہ میک اپ کئے ہوئے ابھام میں پھر انہوں نے راتے میں گاڑی لگی کے گھر کی

طرف میوزی و باں لگی نے ہمیں زبردستی روک لیا اور یونیورسٹی فون کیا تو معلوم ہوا کہ یونیورسٹی تو بنگالے کی وجہ سے بند ہے پھر اس نے کہا کہ میں تمہیں

لچے کے بغیر نہیں جانے دوں گی۔“ اس کے آنسو بہنے کے لیے بے تاب ہو گئے تھے اس کی زندگی کا بد صورت ترین باب اس کے دل کو آبلہ سا بنا گیا،

سبکیٹین نے نرمی سے اس کا سراپے سینے پر رکھ لیا تھا۔

”چلو آؤ یہ ظلم دیکھتے ہی تمہاری طبیعت بھل جائے گی۔“ اس کا موڑ تبدیل ہو گیا اس نے ریٹھ کنٹرول کا جن دہا دیا تاریک اسکرین

روشن ہو گئی وہی شیطانی منظر سامنے تھا رہا اب نے اٹھ کر بھاگنا چاہا مگر سبکیٹین نے اسے اپنے فولا دی ہاڑوؤں میں بے رحمی سے جکڑ لیا۔

”اپنی فریڈز کے ساتھ تو ظلم دیکھ لی میرے سامنے کیوں گھبرا رہی ہو۔ میں تمہاری جان تو نہیں لے لوں گا۔“ وہ فرمایا۔

”بے شک آپ میری جان لے لیں مگر میں یہ ظلم نہیں دیکھوں گی نہ دیکھی ہے خدا ار اسے بند کر دیں۔“ وہ آنکھیں بند کئے اذیت سے

بولی۔ اسی لمحے ہانی کی آواز آئی وہ زور زور سے رو رہا تھا وہ اس کے گھیرے سے بھاگ آئی۔ اپنے کمرے میں آکر دروازے کا پلٹ چڑھا کر وہ لمبے

لمبے سانس لیتی رہی۔

”میرے مصوم ہمدرد۔“ وہ ہانی کو گود میں لے کر رونے لگی۔ اسے روتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔

بختگین نے اٹھ کر وی سی آر بند کر دیا۔ کیسٹ نکال کر اس نے احتیاط سے ایک مولے خاکی لٹافے میں رکھی اور گوند سے اس کا منہ بند کر دیا پھر اس نے لٹافے کے اوپر کچھ لکھا اور الماری میں رکھ دیا وہ دوبارہ بستر پر آ گیا۔ اس کی سوچتی نکاحیں غیر مرئی نکلنے پر حرم گئی تھیں۔

☆☆☆

چچا آج کل غنی ممالک کی بہت زیادہ دیکھ بھال کر رہے تھے جب بھی دیکھو کبھی جوس نکال کر ہار ہے ہیں کبھی پھل کھلا رہے ہیں کبھی طاقتور تانک لار ہے ہیں پھر ایک دن یہ مقدمہ بھی مکمل گیا جب غنی ممالک سے واپسی پر ایک چھوٹی سی گڑیا لے کر آئیں وہ گڑیا جیسی سی تھی سفید چینی ایسی رحمت منبرے بال اور پتلے پتلے ہونٹ مگر بختگین کو وہ گڑیا اچھی نہیں لگتی تھی۔ اگلے سال ایک اور گڑیا آ گئی وہ دونوں جب مل کر روئیں تو اس کا جی چاہتا کہ ان کے گلے دبا دے وہ اکثر انہیں نظر پچا کر مار بھی دیتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سات برس گزر گئے تھے پچا کی حالت خاصی خراب رہنے لگی تھی انہیں ایک بار بارٹ ایکٹ بھی ہو چکا تھا بختگین کی نفرت کا وہی عالم تھا وہ دونوں بہنوں کو بھانے بھانے سے پیٹتا اس کا ہاتھ بھی اچھا خاصا مہاری تھا بڑے زور کا لگتا تھا وہ بھی اونچی اونچی آواز میں چلاتیں تو اسے بڑا سکون ملا دل میں غصہ ہی بڑھ جاتی۔ فرزا پھر اسے خوب کوستی مگر اسے پروا نہیں تھی ان چیزوں نے اس کے پچا پر قبضہ کر لیا تھا انہیں اس کی طرف دیکھنے نہیں دیتی تھیں۔

☆☆☆

وہ بانی اور مخلوق کے ساتھ چلیں کرتے ہوئے یوں مگن تھا کہ جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا اس بے اعتباری نے رباب کو افسردہ کر دیا تھا۔ آخر تھا ناں پولیس والا اس سے بچا لگوانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی تھا کل تک دو گئی سی سمجھتی آئی تھی کہ صرف عورتیں ہی مردوں کے ہوش اڑا سکتی ہیں رات سے اس کی سوچ بدل گئی تھی مرد بھی عورت کے ہوش اڑا سکتا ہے اور مرد بھی بختگین جیسا تھل اور شاندار جس کی مٹھنی میں سامنے کودل چاہے ایسا شاندار اور وجہہ مرد کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے اور اس میں دونوں خوبیاں موجود تھیں جو کسی بھی عورت کو کھٹ کر سکتی ہیں رباب کی دنیا کا کیوس اتنا وسیع نہیں تھا اس کا واسطہ چند مردوں سے ہی پڑا تھا بختگین جیسے مرد سے وہ کہاں واقف تھی اس کی بد قسمتی اسے اس کے گھر میں لے آئی تھی۔

☆☆☆

بختگین میزک کے امتحانات کے بعد فارغ تھا۔ حسن پچا کے ساتھ باقاعدگی سے آفس جاتا تھا۔ سلوٹ سکس کلاس میں آگئی تھی اس سے ایک کلاس جو نیز تھی ان کی پھوپھو کی بیٹی نازاں کا لچ میں زیر تعلیم تھی۔ بختگین باقاعدگی سے جم جاتا تھا شام وہ کلب میں اپنے دوست کے ساتھ ٹینس کھیلنے چلا جاتا تھا۔ اسے اپنی محنت اور ٹینس کا بڑا دھیان تھا خاندان کے دوسرے لڑکوں کے برعکس اس نے قد کاٹھ بھی خوب نکالا تھا۔

وہ لان میں بیٹھا ایک دلچسپ کتاب پڑھ رہا تھا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح وہ فارغ اوقات میں قہمیں دیکھنے کی بجائے کتابیں پڑھتا یا ایکسر سائز کرتا اس کے بیک و شوق تھے افسوس گھر میں کسی اور کو ایسے شوق نہیں تھے۔ فرزا سلوٹ اور گئی اس سے زیادہ بات چیت نہیں کرتی تھیں حسن بھی الگ تھلک رہتا تھا بختگین یہ صورت حال دیکھ کر کتابوں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

آج کل وہ اور اس کے دوست عامر مسٹر پاکستان کپٹیشن میں حصہ لینے کے لیے زبردست ایکسرسائز کر رہے تھے دونوں میں شرط لگی تھی کہ جو بھی ہائل جیتے گا تمام فریڈز کو زبردستی ٹریٹ دے گا۔

☆☆☆

”رباب لگتا ہے تم تو ہمیں بھول گئی ہو۔“ سہل اس کے گلے لگی تھکی سے کہہ رہی تھی وہ آج خود ہی شان کو لے کر آئی تھی ستنے روز سے اس نے رباب کی شکل نہیں دیکھی تھی نہ کوئی فون نہ کوئی پیغام دل کے باتھوں مجبور ہو کر چلی آئی تھی چھٹی کا دن تھا سیکٹین گھر پر ہی تھا سہل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا قریبی بارکیٹ سے اسی وقت وہ اس کی خاطر مدارت کے لیے ڈھیروں چیزیں لے آیا تھا وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ شان رباب کے پاس چلا آیا جو کچن میں مصروف تھی اس کا یہ روپ شان کے لیے خاصا حیرت انگیز تھا۔ کہاں وہ رباب جو چھلا تئیں مارتی کشتیاں لڑتی تھیں ڈیڑھ گھنٹہ سفید کرتا اور نلی، جینو پہنے خود کو کڑکا کرتی اور کہاں یہ رباب شلو اور قمیص پہنے لمبی سی پٹیا باندھے ٹھکڑا کیوں کی طرح امور خانہ داری میں مصروف تھی۔

وہ اسٹول ٹھیکٹ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ دادو اسے ہمیشہ کہتیں کہ رباب ابھی لڑکی نہیں ہے اس کے ساتھ مت کھیلا کرو شان ان کی ہدایات بھلائے رباب کے ساتھ ہی کھیلتا۔ دوسروں کے لیے وہ بد تمیز سہمی مگر اس کے لیے بہت پر خلوص تھی دونوں کی عمر میں تین سال کا فرق تھا مگر دوستی ہم عمروں والی تھی دادو اسے نام لے کر بلاتا تھا ابھی گزشتہ دنوں جو واقعہ پیش آیا تھا اس کی وجہ سے اس کے پورے گھر میں اس کی رباب کے ساتھ ہی تو دوستی تھی۔ اس واقعے کے بعد وہ اپنے کمرے تک محدود ہو گئی تھی بار بار شان نے اس کا حال پوچھا چاہا پر دادو کی ہمہ وقت مگرانی کے باعث ایسا نہ کر سکا۔ اس نے اتنے خوبصورت میٹ ویل سون کے کارڈز اسے دینے کے لیے خریدے مگر اس کی نوبت ہی نہ آ سکی۔ آج وہ تمام کارڈز سمیٹ کر لے آیا تھا اس کی شادی کی خبر سن کر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا جب اسے دولہن بن کر رخصت ہونے دیکھا تو اسے یقین کرنا ہی پڑا وہ تو دھڑلے سے کہتی تھی کہ میں رباب اسد ہوں اپنے چاہنے والے کی شادی نہیں کروں گی۔

”کیا پکار رہی ہو۔“ وہ پرانے انداز میں بولا۔

”چکن کڑا ہی، کو فٹے، سندھی بریانی، کباب، بٹرا نقل اور چکن پلاؤ۔“ اس نے ایک سانس میں بتایا تو وہ مسکراتے لگا۔

”لگتا ہے ستیا ناس مار دو گی سارے کھانے کا۔“ وہ جان کر بولا۔

”جی نہیں تم کھا کر دیکھنا انگلیاں چاٹ لو گے۔“ وہ زعم سے بولی۔

”فہم چاچو نے تو تمہارے مزاج ہی بدل دیئے ہیں۔“ شان کو یہ جملہ کہہ کر احساس ہوا کہ اسے یہ نہیں کہنا چاہئے تھا کیونکہ رباب کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا بعد میں اس نے موضوع ہی بدل دیا سلجوق بھی ان کے پاس آ گیا تھا۔ شان اسے اوٹ پٹانگ حرکتوں سے ہنساربا تھا۔ رباب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔ رباب ڈانٹنگ ٹیبل پر کھانا لگا کر بجل اور سیکٹین کو بلا کر لے آئی۔

”ارے یہ کیا، اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ سہل اتنے ڈھیر سارے کھانوں کو دیکھ کر شرمندہ ہو گئی۔

”اسے تکلف نہیں مہمان نوازی کہتے ہیں۔“ سیکٹین بولا اور اسے کھانا شروع کرنے کا اشارہ کیا ہر چیز واقعی بہت مزیدار تھی سہل کو تو قی

نہیں تھی کہ رہا اب یہ سب کچھ بتانے کی کیونکہ ان کے اپنے گھر میں تو ایسے کھانے نہیں پکاتے تھے یا تائی اماں کا ان پر احسان کرنے کا جی چاہتا تو بچا ہوا دے دیتی تھیں۔ رہا اب تائی کے باورچی خانے میں اکثر ویسٹر اس کے پاس منڈلاتی رہتی تھی جب تک پیاز زندہ تھے انہوں نے دنیا کی جو چیز چاہی پائی ان کی موت کے بعد سب تھے خواب و خیال ہو گئے تھے۔

"طوطے تم نے تو کمال کر دیا ہے۔" محل نے اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھا۔

"بہتین بھائی آپ یقین کریں کہ میں اسے باورچی خانے میں بہت کم ٹھہرنے دیتی تھی میں چاہتی تھی کہ یہ اپنی پڑھائی پر ہی توجہ دے مگر بھی یہ ہمیں بڑا زچ کرتی تھی۔ اس کے باوجود امی نے اسے کبھی نہیں ڈانٹا۔ یہ پامی سمیت میری بھی لاڈلی تھی۔" محل کے ذہن میں وہ خوبصورت سے دن کھونے لگے۔ دونوں پر اس کی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

"بلیوی یہ میری بھی لاڈلی ہے۔" وہ بڑبڑاتا تو رہا اب نے بے ساختہ سر اٹھایا وہ محل کی طرف متوجہ تھا۔

"شان تم یہ کوئے لونگاں۔" وہ اچھے میزبان کی طرح پیش آ رہی تھی محل کو بے پناہ ملانیت کا احساس ہوا۔ کھانے کے بعد بہتین اسے خود چھوڑنے آیا۔ تائی رقیہ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ افشاں افشاں اور خمار اسے دیکھتے ہی ابھر ادر ہو گئیں۔

"افشاں مجھ سے بہت ڈر لگتا ہے۔" خمار بولی۔

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔" خمار نے اسے تسلی دی حالانکہ دل میں وہ خود بھی ڈر رہی تھی۔

"یوں لگتا ہے جیسے ایک روز اسے سب کچھ پتہ چل جائے گا رہا اب بھی تو شادی کے بعد ایک بار بھی نہیں آئی اس پر ہی زور ڈال کر کچھ پتہ چل جاتا۔" وہ از حد پریشان تھی۔

"ممی اور تائی نے اس کی بہنوں کو اشارہ کچھ کچھ بتایا تھا رہا اب کے اس واقعے کے بارے میں کیا خود ڈی ایس پی کو یاد نہیں ہو گا اتنی پرانی بات بھی نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ رہا اب اس لیے نہیں آئی کہ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے رہا اب کے ساتھ، شرمندگی کے مارے منہ ہی نہیں دکھاتی ہے۔" خمار نے نیاکتہ نکالا اور مزید گویا ہوئی۔

"ہمیں اس طرح چھپنا نہیں چاہئے ورنہ وہ یہ سمجھے گا کہ ہم بھی الوالو تھے، آؤ اس سے پہلو ہائے کر لیں۔" اس نے افشاں کو اٹھایا اور ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ دونوں نے بڑے اعتماد سے سلام کیا اور بیٹھ گئیں۔

"اس میں شک نہیں ہے کہ رہا اب نے بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے۔" افشاں سرگوشی میں خمار سے بولی وہ دونوں قدرے قاصطے پر تھیں آرام سے اس کے ہارے میں ہاتھ کرنے لگیں۔

"لگتا ہے کہ پیشہ ور ریسلر ہے وان ڈیم کی طرح اس کا جسم بھی بڑا مضبوط ہے میئر اسٹیکل بھی خوب ہے آنکھیں تو غضب کی ہیں یہ تو کہیں سے بھی قاتل اور دو بچوں کا باپ نہیں لگتا میرے لیے اگر اس کا پرو پوزل آتا تو میں آنکھیں بند کر کے اس کے گرد جیتی اپنی مکی کی بھی نیت خراب ہے اس کے لیے کہہ رہی تھی کہ تھوڑی سی کوشش کے ذریعے اسے اپنا پادشہ بنا یا جاسکتا ہے۔"

"پھر فون نہیں آیا اس کا۔" خمار نے پوچھا۔



"آیا تھا کہہ رہی تھی کڑی ایس بی جب تمہارے گھر آئے تو مجھے اطلاع کر دینا۔" وہ ہلکے سے ہنسی۔

"ہاں تاکہ وہ اکیلا اکیلا اسے لے اڑے، بڑا ناز ہے اسے اپنے حسن پر۔" خمار ناگواری سے بولی۔

☆☆☆

سبتگین نے اپنی ہانک پر چہرے میں روکی، حال ہی میں پپانے اسے یہ قیمتی ہانک جو گاڑیوں سے بھی جھنگی تھی لے کر دی تھی آج کل وہ اسے اڑائے اڑائے پھرتا تھا عامر اور وہ دونوں اس پر جم خانہ سے ہو کر آرہے تھے عامر کا چہرہ اتر گیا تھا اس نے برداشت سے زیادہ ویٹ اٹھا لیا تھا۔ سبتگین نے پہلے اسے گھر چھوڑا تھا اور پھر واپس آیا تھا۔ نازاں نے موٹر سائیکل کی آواز پر بے اعتیاد نگاہیں ڈال دیں وہاں اس کی فریڈز بھی آئی ہوئی تھیں اس نے فی پارٹی میں انہیں مدعو کیا تھا خوب اونچی آواز میں ڈیک بنگ رہا تھا کمرے میں ایک طوقن بدتمیزی برپا تھا میوزک کی آواز پر رے گھر میں گونج رہی تھی۔ سبتگین سیدھا دستک دیئے بغیر نازاں کے کمرے میں گھس گیا اور ڈیک کا تار جھٹکے سے نکالا۔

"مختصر مہنازاں موسیقی سے لطف اندوز ہونا ہے تو براہ کرم ہمیں اور محلے کو اس سے محفوظ رکھیں۔" وہ اس کی دھمکتوں کی موجودگی کی پروا کئے بغیر بولا اور جس طرح آیا تھا اسی طرح نکل گیا۔

"یہ کون تھا اتنے رعب سے حکم دے کر گیا ہے۔" ہنگی نے پوچھا وہ اس کے انداز پر مرعوب سی ہو گئی تھی۔ کیا شاہانہ انداز تھا۔

"میری کرن کا بیٹا ہے" وہ بولی سلوٹ اور گئی کو اس کا ڈیک بند کرنا بالکل نہیں بھایا تھا۔

"بائے کتنا ڈینگ اور سارٹ ہے" عینہ بید پر لمبی لمبی لیٹ گئی۔

"روز جم خانہ اور کلب جاتا ہے میسر پاکستان کنٹینشن میں حصہ لے گا مجھ سے چھوٹا ہے" نازاں نے انکشاف کیا۔

"بائے نہیں وہ تم سے چھوٹا تو نہیں لگتا اگر میسر اور لہیا چوڑا ہے جھوٹ بول رہی ہوں تم" ہنگی مٹھکوک لہجے میں بولی۔

"آئی سویر وہ مجھ سے تین سال چھوٹا ہے، کیوں سلوٹ سبتگین مجھ سے چھوٹا ہے ناں" اس نے تائید چاہی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"نام کتنا یونیک اور بارعب سا ہے سبتگین، زبان لڑکھڑا جاتی ہے" سنہلی بولی۔

"سلوٹ تم اپنے بھائی سے میرا معاملہ فہم کرادو۔" ہنگی نے شریر لہجے میں کہا تو نازاں نے اسے دھپ لگائی۔

"ایڈیٹ آہستہ بول اس نے اگر سن لیا تو جان کو آجائے گا ایسا دیا نہیں ہے لڑکیوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے اپنے احمدی صاحب کی

بیتانے اسے پٹانے کی بڑی کوششیں کیں پر سبتگین نے بے چاری کو گھاس تک نہیں ڈالی اور جو بی تو ابھی تک فون کرتی ہے" نازاں نے بتایا سلوٹ اور گئی اس کی تعریفوں سے جڑ بڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆

بھل کے لیے شاہ میر کا رشتہ آیا تھا رہا باب کی شادی پر شاہ میر کی والدہ اور بہنوں کو وہ بری طرح بھائی تھی ان کی کوشش تھی کہ جلد از جلد لڑکی شاہ میر کے نام ہو جائے انہیں بھل کے گھرانے کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا۔ انہوں نے شائستگی سے اپنا مدعا رقیہ سے بیان کیا تو انہوں نے رخصت اور آمنہ کو بھی بلوالیا۔

”مسز فرمین آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑی بہن سے پہلے چھوٹی کی شادی کیوں ہو گئی حالانکہ اصولی طور پر اور معاشرے کے رائج طریقوں کے مطابق پہلے بڑی بہن کی ہونی چاہئے تھی“ وہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

”اس میں شاید کوئی آپ کی خاندانی مصلحت یا مجبوری ہوگی“ مسز فرمین سوچ کر بولیں۔

”ان دونوں بہنوں نے ہمارے خاندان کی تیارابیوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے بڑی نے بھی آنکھ منکا کر رکھا تھا چھوٹی اپنے عاشق کے ساتھ رکتے ہاتھوں پکڑی گئی اور تھانے پہنچ گئی، بھائی صاحب لے کر آئے فوراً ہی اچھا سا لڑکا دھوڑ کر شادی کر دی آپ تو جانتی ہوگی“ رخصت ہوئیں تو فرمین جہان رو گئیں جو لڑکی اپنے دوست کے ساتھ رنگ رلیاں سناتے ہوئے پکڑی گئی اس کی شادی ایک اعلیٰ اور منسوب حیثیت کے حامل مرد سے ہو گئی تھی وہ شادی پر آئی تھیں سب گئیں اور باب کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ دونوں بہنیں ایسی ہیں بچے بچے دل کے ساتھ وہ واپس آ گئیں۔

”بھائی اس بھل کو سر سے اتار دیں دھماکا کریں۔ ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آ رہا ہے اس کے لیے ہماری بیٹیوں کا حق مار رہی ہے یہ“ اندر چائے لاتی بھل دروازے سے ہی پلٹ گئی رہا باب اور اس کے بارے میں انہوں نے مسز فرمین سے جو کچھ کہا تھا اس نے حرف بہ حرف سن لیا تھا باب مسز فرمین نے آگے جا کر تھک مریج لگا کر یہ قصہ بیان کرنا تھا اگر سب گئیں تک یہ بات پہنچ جاتی تو پھر بہت برا ہوتا اسے اپنی فکر نہیں تھی آج وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی امی بھی نہیں تھیں کہ ان کے مشفق بیٹے سے لگ کر وہ اپنے آنسو بہا ڈالتی۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھی کسی جرم کی پاداش میں ہماری چٹان کے نیچے دبی ہوئی ہے جتنی ریت ہے اور اوپر آگ برسا تا سورج ہے اور سامنے ظلم کی صورت تائی چچی کھڑی ہیں، اس کے لیے کب مدد آئے گی کب کوئی چارہ مگر اس کے زخم رفقہ کرنے آئے گا..... کب کوئی امین مریم آئے گا اس کے دکھ کی دوا کرنے۔

☆☆☆

سلوگنی، فرزا اور اس کی مٹی چاروں شاپنگ کے لیے گئی تھیں نازاں مگر میں اکیلی تھی سب گئیں ابھی کچھ دیر پہلے آیا تھا کھانے کا وقت ہو رہا تھا وہ اس کے کمرے میں آگئی کھانے کے لیے بلانے وہ کمرے میں موجود نہیں تھا واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی وہ بیٹھ کر میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی وہ نہا کر نکلا تو اسے کمرے میں دیکھ کر حیران ہوا اور وہ شرٹ پہنے بغیر ہی نکل آیا تھا نازاں اسے دیکھ رہی تھیں سب گئیں کا جسم بھیگا ہوا تھا پھولے پھولے مسٹر دیکھ کر نگ رہا تھا کہ اس کے انسر کرنے خوب محنت کرائی ہے۔

”کیا ہے کیسے آتا ہوا“ وہ شرت پہن کر اس کی طرف آیا۔

”کھانا تیار ہے آؤ کھاتے ہیں“ وہ سر جھٹک کر اس کے سر سے نکلے ہوئے بدلی۔

”ٹھیک ہے میں آتا ہوں تم جاؤ۔“ وہ ہالوں میں بدش کر رہا تھا۔

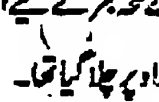
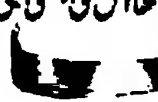
پھر ٹیبل پر نہ زان اسے بذات خود ایک ایک چیز پیش کرتی رہی۔

بارش کی وجہ سے لائٹ گئی ہوئی تھی سبکدین کمرے سے نکل آیا وہ کھل کر میز پر جانا چاہتا تھا نیچے تو اوڈشڈنگ کے باعث گھپ اندھیرا تھا

وہ میز پر چڑھ رہا تھا اسے یوں لگا کوئی اور آگے سے دھیرے دھیرے میز پر چلا رہا ہے۔

”کون ہے۔“ اس نے آواز دی دھپ سے کوئی اس کے ساتھ کھڑا یا سبکدین اگر وہ ریٹنگ کو تھا مہ نہ لیتا تو گر پڑتا نہ زان اس پر گر گئی تھی۔

”اودا ایم سو ری سبکدین اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔“ وہ سنبھل کر اپنی سانس درست کرنے لگیں سبکدین کی قربت نے اس کے اندر ہلچل سی مچادی وہ کافی دیر سے بارش میں بھیگ رہی تھی نیچے اترتے ہوئے جان کر اس سے ٹکرانی تو جسم و جان میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی سبکدین نے لمحہ بھر کے لیے اسے کیا تھا تھا اس کی ہستی ہی نہ وبالا کر دی تھی۔ دل چاہ رہا تھا وقت رک جائے وہ اسے یوں ہی تھاے کھڑا ہے پر وہ اسے ہٹا کر اوپر چلا گیا تھا۔



☆☆☆



موسم بڑا خوشگوار تھا آسمان پر مست بدلیاں جھوم رہی تھیں تمام ماحول سرمئی سرمئی ہو رہا تھا وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا دل چاہ رہا تھا لاگ ڈرائیو پر نکل جائے اور کچھ ٹھنڈی کئے لیے تمام ٹکریں ڈھن سے جھٹک دے پر نہ جانے کونسی کشش تھی جو اسے گھر کی جانب لے جا رہی تھی گیت سلوک نے کھولا وہ گاڑی اندر لے آیا جیسے ہی وہ اتر اسلوق شروع ہو گیا۔

”پاپا انگل دہلن آئی زور زور سے رو رہی ہیں“ وہ اندر آیا تو واقعی وہ ٹھنڈوں میں سر چھپائے بانی کو پکڑ رہی تھی۔

”رہا باب کیا ہوا ہے“ وہ پینٹ کے پانچے اوپر کرتا اس کے پاس بیٹھ گیا۔

”پھر بارش ہو رہی ہے پھر بارش ہو رہی ہے کوئی باہر مت جائے نہ جانے اب یہ بادل اور بجلیاں کس کو ساتھ لے کر جائیں گی“ وہ مضبوطی سے آنکھیں بند کئے بول رہی تھی سبکدین کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

”سلوک میرے پاس بیٹھ جاؤ باہر مت جانا میں سر جاؤں گی“ اس نے سلوک کو بھی پاس بلا لیا۔

”آخر ہوا کیا ہے کوئی مجھے بھی تو بتائے کیا باہر بدشت گرد ہیں جو کوئی باہر نہ جائے“ وہ جھلا گیا۔

”پاپا انگل دہلن آئی بارش سے ڈر گئی ہیں“ اس نے پتے کی بات کہی تو اس کا تن بدن ڈھلا پڑ گیا واقعی یہ ٹڑکیاں کتنی تازک ہوتی ہیں بھلا بارش کوئی جن بھوت ہے، دورات تک یونہی کمرے میں بیٹھی رہی سبکدین ہانی کا فیڈر خود بنا کر لایا اور کھانا بھی خود گرم کیا جب بادل زور سے گر جتے اور بجلی کڑکتی تو وہ زور زور سے رونے لگتی یوں لگتا جیسے کوئی ان دیکھی سی قوت ہے جو اس سے یہ سب کر رہی ہے دورات کافی دیر تک ان تینوں کے

پاس بیٹھا رہا جب وہ کمرے میں آنے لگا تو دالٹ ہو گئی۔

”پلیز آج ادھر ہی سوجائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے“ وہ اب بھی رو رہی تھی بیکٹین کو رحم آ گیا۔

”اچھا ٹھیک ہے“ رک گیا۔ وہ ایک اور کمرے لے آئی بانی اور سلوک کے درمیان جگہ بنا کر کمرے میں اس کے سونے کے لیے اچھی خاصی جگہ موجود تھی وہ نیکہ کنارے پر رکھ کر لیٹ گیا رات بار بار اس کی نیند ٹوٹتی رہی کیونکہ وہ خود بھی ڈسٹرب تھی اور اسے بھی ڈسٹرب کر رہی تھی۔

☆☆☆

بیکٹین کی برتھ ڈے پر نازاں نے خاصی قیمتی ریٹ وایچ اس کے لیے خریدی تو فرزا کھٹک مٹی سلوٹ اورنگی نے بھی اسے الٹ کر دیا تھا اس نے نازاں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

”نازاں یہ میں کیا سن رہی ہوں، سنا ہے کہ تم بیکٹین میں انٹرسٹ لے رہی ہو“ اس نے اندھیرے میں تیر چھوڑا جو نشانے پر جا لگا۔  
”جی آئی“ اس نے بے دھڑک اقرار کر لیا۔

”کیا وہ بھی تمہارے لیے ایسے جذبات رکھتا ہے“ اس نے گہری نظروں سے جانچا۔  
”نہیں رکھتا تو رکھنے لگے گا میں نازاں ہوں کب تک دامن بچائے گا“ وہ فردر سے بولی تو فرزا کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔  
”ٹھیک ہے جو مرضی میں آئے کرو اور اسے زیر کر لو پورے فائدے میں رہو گی تم بھی میں بھی پھوپھو بھی“ وہ ہلکے سے ہنسی فرزا نے پھوپھو اور اپنی ماں کو بھی اس راز میں شریک کر لیا اب وہ سارے ہتھیار لے کر میدان میں اترنا چاہتی تھی۔

وہ مسٹر پاکستان کا نام لے لیتا تھا اس خوشی میں اس نے تمام دوستوں کو فریٹ دی تھی نازاں نے بھی اس سے فریٹ مانگی جو وہ خوشی دینے پر تیار ہو گیا ساتھ ہی وہ کالج میں داخلے کے لیے تیاریاں کر رہا تھا پاپا اس کی پوزیشن اور نمبرز دیکھ کر بہت مسرور ہو رہے تھے انہوں نے اس سے نئی گاڑی لانے کا وعدہ کیا تھا۔

ہلکے سے درد اور وہ بجا اس نے کتاب سے سر اٹھایا وہ نازاں تھی۔

”اتنا زیادہ پڑھتے ہو ہر وقت، کبھی آرام بھی کر لیا کر دیکھی اپنے ارد گرد کی خوبصورتی پر نظر ڈالی ہے تم نے“ وہ آرام سے اس کے پاس بستر پر بیٹھ گئی تھی بیکٹین کو اتنی رات گئے اس کی آمد بہت بری لگی مگر پھر وہ انتہائی بے تکلفی سے اس کے بستر پر بیٹھ چکی تھی۔

”نازاں جاؤ سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے“ اس نے کتاب رکھ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

”میں اس لیے تو آئی ہوں رات بہت ہو گئی ہے“ وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

”بیکٹین تم نے مجھے کہیں کانٹیں چھوڑا ہے میں پاگل ہو رہی ہوں تمہارے لیے پلیز مجھے مت لکھانا“ اس نے انتہائی بے حجابی سے اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی تو بیکٹین نے زوردار طمانچہ اس کے گال پر مارا نازاں پر تو جنون سوار ہو گیا۔

”تم نے مجھے مارا نازاں کو مارا۔“ وہ اس پر پٹنی پڑی ساتھ ساتھ وہ اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔

"ارے بچاؤ مجھے اس درندے سے" جنوں جون دوز تے قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی نازاں بھی اس کے قریب ہوتی جاری تھی ایک لمحے کے لیے اس متوقع خطرے کا احساس کر کے وہ بے جان ہو گیا و نازاں اس لمحے اس سے بے حد قریب ہو گئی دروازہ کھولا۔

"چھوڑ دو چھوڑ دو مجھے" وہ اس سے الگ ہوئی۔ دروازے پر انصر فرزا پھپھو سلوٹگی اور حسن کا لبورنگ چہرہ جھانک رہا تھا۔

"کینے بلڈی فول حیری یہ جرأت کہ تو میری بہن کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے۔" اس نے سبکٹین کو اٹھا کر پوری قوت سے پٹیاں اس کا سر بیڈ کی پٹی سے ٹکرایا تو اس کی آنکھوں کے آگے مارے مارے پڑ گئے۔

"یہ زبردستی مجھے میرے کمرے سے اٹھا کر لے آیا میرے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ آواز نکالی تو جان سے مار دوں گا۔" وہ چہرہ شرم کے مارے ہاتھوں سے چھپائے رو رہی تھی حسن اسے لکس لگا رہا تھا سبکٹین جو خود بھی مضبوط قد و قامت والا اور توانا لڑکا تھا پر اس صورت حال نے اس کے حواس ہی سلب کر لیے اپنے دفاع کا فطری احساس ہی ختم ہو گیا تھا وہ نہ یوں آسانی سے مار کھانے والا لڑکا نہیں تھا۔

"اور مارو اور مارو اس گسانپ کو، میری پھول سی ہٹی کو داغ نکا دیا ہے۔ ہائے کون پوچھے گا اب تجھے" فرزا کی پھپھو نازاں کو گلے لگائے اپنا سر بیڈ رہی تھیں۔

"چھوڑو حسن اے، میں خود اس سے معلوم کرتا ہوں" انصر نے حسن کو بنایا سامنے کونے میں لوہے اور پگڈاڑ پلاسٹک کا نیا سینے کو چڑا کرنے والا ورزش کا آلہ رکھا ہوا تھا تقریباً از حاکانی فت لہا اور منہی بھر چڑا یہ آلہ کسی چمتری سے مشابہ تھا انصر نے وہ اٹھایا اور خونکے تاثرات لیے سبکٹین کی طرف بڑھے تڑا تڑا انہوں نے اندھ حد خدا سے مارنا شروع کر دیا سبکٹین کا سارا جسم درد اور اذیت کی لپیٹ میں تھا اور چیخا چارہ رہا تھا مگر آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہی گئی تھی اس کی اوپری کھال ہی جیسے ادھر گئی تھی اس کے خون سے نیلا کارپٹ سیاہی مائل ہو گیا تھا کسی نے بھی ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی جب انہیں اس کے بے جان ہونے کا یقین ہو گیا تو دور کے۔

"جاؤ اے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک آؤ۔" ساتھ ہی وہ اپنا سینہ مسلے لگے یوں جیسے ان کا دم گھٹ رہا ہو سب کو ان کی پڑی گئی تھی حسن نے گاڑی نکالی اور سب ان کے ساتھ ہسپتال چلے گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں بوڑھے نور دین نے اپنے بیٹے سے مزہم پٹی منگوا کر اس کے زخم صاف کئے وہ اب بھی بے سدھ تھا۔

"شاکر اے ہسپتال لے چلو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی اس کی حالت" انہوں نے اپنی بوڑھی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ شاکر اسے ایک خیراتی ہسپتال میں لے آیا جہاں دوستی دیر تک نگھے فرش پر اپنی باری کے انتظار میں پڑا رہا کھلیں اس کے زخموں پر بھنھناتی رہیں ڈاکٹر زبیر بہت دیر بعد متوجہ ہوئے۔ ڈاکٹر رحمان اس کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے نہ جانے کس شقی القلب نے اس کا یہ حال کیا تھا انہیں نے شاکر سے پوچھا تو اس نے جھوٹی کہانی سنا کر اس کی ساری ہمدردیاں سمیٹ لیں۔

شاکر برابر اسے ہسپتال دیکھنے آتا رہا ساتویں روز جب وہ آیا تو اس کا خالی بستر اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

انصر ڈسپارچ ہو کر گھر واپس آ چکے تھے ان کا علاج ایک پرائیویٹ ہسپتال میں غیر ملکی ڈاکٹر زکی زیر نگرانی ہوا تھا اور ان کے جیے کا

علاج ایک خیراتی ہاسپٹل میں ہوا تھا۔

”ہا ہا سبکیں کہاں ہے“ دودھ کا گلاس واپس کرتے ہوئے وہ آہستگی سے بولے کہ کہیں کوئی سن نہ لے۔

”صاحب جی وہ تو اسی روز سے عائب ہیں جس دن آپ ہسپتال گئے تھے“ ان کی ہمت نہیں بڑ رہی تھی کہ انہیں کچ بتائیں وہ ہاسپٹل سے عائب ہو چکا تھا وہ کیا بتاتے؟ فرزانے نازاں کی بے عزتی کا ڈھونگ رہا کر سبکیں والا گھرا اپنے نام لکھوا لیا تھا۔ انہر نے بڑے ارمانوں سے کونھی بنائی تھی کہ شادی کے بعد سبکیں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہے گا آج وہ کونھی نازاں کی ملکیت ہو گئی اس کی ماں نے خوب واویلا مچایا تھا حسن الگ اس کے خون کا بیا سا بنا پھر رہا تھا انہوں نے چپ چاپ کونھی کے کاغذات فرزا کے سپرد کر دیئے کچھ روز بعد حسن نے گاڑی کی فرمائش کر دی انہوں نے اپنی سٹے ماڈل کی مرسڈیز بھی اس کے حوالے کر دی تاکہ وہ ان کے بیٹے کی جان بخشی کر دے جس بیٹے کے لیے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے وہ عائب ہو چکا تھا۔

# ایک سو ساسی ڈاٹ کام

کسی کا سر ڈھانپنے کو صحرا میں  
اک روئے غبار تفتی ہے  
ہم انہی موسموں میں رجتے ہیں  
روشنی ہے کبھی وہ فنی ہے

سبکدوش چپ چاپ ہاسٹل سے نظریں ہٹا کر نکل آیا تھا اب سوال یہ تھا کہ کہاں جایا جائے اس کے پاس تو ایک پھولی کوڑی بھی نہیں تھی  
گھر کے دروازے اس پر بند ہو چکے تھے وہ کہاں جاتا؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے کرتے وہ اس مکی آبادی میں نکل آیا تھا پاس ہی شاید کوئی  
عمارت تعمیر ہو رہی تھی وہ قریب آ کر یونہی دیکھنے لگا تو تعمیر کار اس کے پاس آ گیا۔

”مزدوری کرو گے۔“ اس نے بے سوچے سمجھے سر بلا دیا تو تعمیر کار نے اسے کام پر لگا دیا اسے آئینیں اٹھا کر تیسری منزل پر پہنچانی تھیں  
شام ڈھلے جب سب مزدور فارغ ہو گئے تو تعمیر کار نے اس کے ہاتھ پر ستر روپے رکھے اور نکل بھی آنے کو کہا۔ سبکدوش خوش و حیرت کے ملے جلے  
جذبات سے ان ستر روپوں کو دیکھ رہا تھا جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کمائے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ ان چھوٹے کو دیکھ کر  
یہ صدمہ بھی جانتا رہا، وہیں ایک چھپر ہوٹل سے اس نے کھانا کھایا اور اسی عمارت میں آ گیا۔ ایک جگہ صاف کر کے بازو کا تکیہ بنا کر وہ لیٹ گیا۔  
سارے دن کی محنت و مشقت کے بعد تھکا ہارا جسم جلد ہی نیند کی آغوش میں ڈوب گیا۔ اسے ایک ماہ ہو گیا تھا یہاں کام کرتے ہوئے۔ اب یہ عمارت  
مکمل ہونے کے قریب تھی مزدوروں کا کام ختم ہو چکا تھا وہ پریشان بیٹھا تھا کہ اب کیا کرے گا ایک مزدور نے ایک نئی راہ دکھائی۔

”بھائی کراچی چلے جاؤ وہاں بہت کام ہیں میرے چاہے گا ہوٹل ہے وہاں بڑی آمدنی ہوتی ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کا پتہ لکھ دیتا  
ہوں وہاں جا کر بس کہہ دینا کہ مجھے امام نے بھیجا ہے تیرا کام ہو جائے گا چاہا تیرے لیے کوئی نہ کوئی جگہ ضرور بنا دے گا۔“ وہ یوں بولا جیسے اس کا چاچا  
پرائم منسٹر ہے جس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہے بہر حال اس نے امام سے چاہے کا انڈر لیس لے لیا اور کراچی آ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ ہوٹل ملا۔ یہ  
دوسرے درجے کا درمیانہ سا ہوٹل تھا اس نے امام کے ہاتھوں کا لکھا ہوا خط اس کے آگے رکھ دیا۔ شکر تھا کہ چاچا نے اس پر اعتبار کر لیا تھا ابتدائی  
مرحلے میں اس کے ذمے برتن دھونے کی ڈیوٹی تھی رات کو وہ ہوٹل میں ہی سوتا تھا۔

ایک ماہ ہو گیا تھا اسے یہاں کام کرتے ہوئے، اب دو گاہکوں سے پیسے بھی وصول کر لیتا تھا بہت جلد غنور کی نظروں نے بھانپ لیا کہ یہ  
نوکاسی اچھے گھر کا ہے انہوں نے کرید کرید کر پوچھا پر اس نے ایک لفظ بتا کر نہیں دیا۔ ہوٹل میں انگریزی اخبار اور رسالے بھی آتے تھے جنہیں کام  
ختم کرنے کے بعد وہ بڑی دلچسپی سے پڑھتا تھا وہاں کے لوگ اس سے بہت زیادہ مرعوب ہو گئے تھے۔ اب اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ دو گاہکوں سے پیسے  
لے کر ان کا حساب کتاب کرے اس نے کبھی ایک پیسے کی بھی بے ایمانی نہیں کی آنے والے گزرنے والے تھے ایک دن یونہی اس کے دل میں آیا کہ کیوں نہ وہ

پرائیویٹ امتحان دے لیکن اس کے تمام تعلیمی ڈاکومنٹس تو لاہور میں تھے جو اس نے داخلہ فارم کے ساتھ کالج میں جمع کروائے ہوئے تھے۔ یہاں پہلی بار اس نے چاچا غفور سے اپنے بارے میں کوئی بات کی انہوں نے لاہور جانے کی اجازت دے دی وہ اچھی سن کالج میں آیا ہوا تھا۔ ادھر ادھر دیکھے بغیر دوسیدھا کھرک کے کمرے میں آگیا تھا اس کا اور عاصر کا ارادہ تھا وہ اسی کالج میں ایڈمیشن لیں گے وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے کھرک کی منہی گرم کی تو اس نے فائنٹ اس کے ڈاکومنٹس اور ایڈمیشن فارم کال دیئے اپنے ڈاکومنٹس سے اس نے ایڈمیشن فارم الگ کر کے پھاڑ دیا وہ جیسے گیا تھا ویسے ہی لوٹ آیا۔ محض ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں اس نے ایف ایس سی کا امتحان دے دیا۔ چاچا غفور پوری طرح اس کی شرافت اور کردار کے قائل ہو چکے تھے اسے زبردستی گھر لے آئے جہاں ان کی بیوی ایک بیٹی ایک بہو اور دو بیٹے رہتے تھے۔ چھوٹا بیٹا ڈیٹن نویر جماعت میں پڑھتا تھا جبکہ بیٹی رابعہ فرسٹ ایئر میں تھی ان کا بھی کل کتبہ تھا مکان اپنا تھا ایک کمرہ انہوں نے بنگلین کے لیے خالی کر لیا وہ ان کے احسانات کے آگے شرمندہ ہوا چار ہاتھ انہوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی تھی وہ ہوٹل سے بھی اس کی جلدی چھٹی کر دیتے تھے تاکہ وہ یکسوئی سے پڑھ سکے اسے ایک چھت میرا آئی تھی اب وہ گھر کے اندر بھی بلاروک ٹوک چنا جاتا تھا ڈیٹن بھی کبھی کبھی اس کے پاس آکر پڑھنے بیٹھ جاتا رابعہ پر بھی آنے جاتے نظر پڑ جاتی تھی وہ بڑی پیاری اور ہاسی لڑکی تھی۔ بی ایس سی کے ایگزامز کے بعد وہی ایس ایس کی تیاری کر رہا تھا رابعہ بھی بی ایس کر چکی تھی اب وہ آپس میں بات چیت بھی کر لیتے تھے بنگلین کو اندازہ ہوا کہ وہ بڑی پھر دو اور پر غلوں لڑکی ہے مگر وہ ڈرتا تھا اس کی آڑ میں کچھ اور نہ ہو کیوں کہ رابعہ کی نگاہوں میں کوئی نرم نرم ساجد بہ لودیتا تھا جسے وہ قصداً نظر انداز کر جاتا تھا۔ سی ایس ایس کے ایگزامز میں کامیاب ہونے کے بعد وہ ٹریننگ کے لیے سہالہ جانا تھا صبح اسے جانے تھا رات گھر میں اس کی بڑی پر تلطف دعوت کی گئی وہ سب کافی دیر تک جاگتے رہے۔

”بیٹا اب کب آؤ گے۔“ چاچا غفور نے پوچھا۔

”پتہ نہیں چاچا ٹریننگ کے بعد کہاں جاتا ہوں۔“ اس نے انہیں امید دلانا مناسب نہیں سمجھا ان کا چہرہ بھجھ سا گیا تھا پھر وہ سب اٹھ کر چلے گئے وہ کچھ دیر محن میں بیٹھا رہا اور پانی پینے کے ارادے سے کچن میں آیا تو وہی دھیمی دھیمی سسکیوں کی آواز پر چونک پڑا وہ رابعہ تھی جو فرش پر چینی رو رہی تھی۔ ”رابعہ کیوں رو رہی ہو میرے لیے منت روؤ کیوں اپنے آنسو صاف کر رہی ہو“ وہ سگدلی سے بولا تو رابعہ تڑپ گئی۔

”کوئی آس کا دیا کوئی روشنی کی کرن میری منہی میں نہیں چھائیں گے۔“ وہ بڑی امید لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مہرباں ہیں تیری آنکھیں مگر اے مونس جاں

ان سے ہرزخم تمنا تو نہیں بھر سکتا

ایسی بے نام مسافت ہو تو منزل کسی

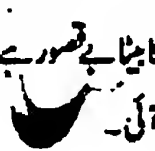
کوئی بستی ہو بسیرا ہی نہیں کر سکتا

”رابعہ میں تم گم کردہ راہوں کا راہی ہوں تو جو محبت اور چاہت مجھ سے چاہو گی میں تمہیں نہیں دے سکوں گا۔“

وہ ایک دم اپنی بات کھل کر کے اس کی سنے بغیر نکل گیا تھا۔



آٹھ برس گزر چکے تھے وہ کامیاب پولیس افسر تھا۔ مجرموں کے ساتھ ابھائی بے رحم، بڑے بڑے قاتل اس کی سنگدلی سے پناہ مانگتے تھے اس نے تشدد کے نئے نئے طریقے ایجاد کر رکھے تھے وہ جسمانی اذیت کے بجائے ذہنی اذیت پہنچا کر اپنے مطلب کی باتیں معلوم کر لیتا تھا اسے ایک کام کی وجہ سے لاہور آنا پڑا تو اس کے قدم خود بخود انصر منزل کی طرف اٹھ گئے۔ پچا ابھائی بوڑھے ہو گئے تھے اسے مشکل پہچان پائے۔ اب وہ تیس سال کا خورد اور بھرپور لڑکا تھا وہ سنی دیر اسے لپٹائے محبتوں کی بارش سے اسے بھگوتے رہے۔ اسے دیکھ کر حسن کامنہ بن گیا تھا مگر اب وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اس کا اپنی اور کسرتی جسم دور سے ہی مرعوب کر گیا تھا فرزانے بھی اس کی آمد کو پسند نہیں کیا تھا سلوٹ اور گچی کے ذہن میں بھی زہر بھرا ہوا تھا انصر نے اسی رات فون کر کے اپنے وکیل کو بلا کر ساری جائیداد بینک بینکس اس کے نام کروا دیا تھا اکثر جائیداد فرزا اور حسن بڑپ کر گئے تھے نازاں کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی، سبکدین زیادتی والا قصہ انہوں نے بہر روایاں بتورنے کے لیے سنایا تھا جو نازاں کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوا تھا وہ اپنے ہی دام میں پھنس گئی تھی سبکدین کے یہاں قیام کے دوران وہ اس سے بڑی محبت سے پیش آئی اس کی یہاں موجودگی کے دوران ہی پچا پردل کا آخری امٹک ہوا اور وہ خائن حقیقی سے جا ملے مرنے سے پہلے وہ جان گئے تھے کہ ان کا بیٹا ہے قصور ہے۔

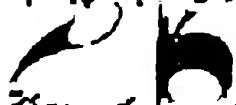


سبکدین دوبارہ دو ماہ کے بعد آیا اس نے بونٹ سے نازاں کو فون کیا وہ دوڑی چلی آئی۔

”نازاں میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے دھماکہ کیا۔

”مم... مم... مگر...“ نازاں کے ہونٹ کپکپا گئے۔ ”تم پہلے ہی سے بات کرو۔“

”مجھے علم ہے تمہارا بھائی اور مئی تمہاری شادی نہیں ہونے دیں گے اس لیے میرا خیال ہے کہ پہلے ہم کورٹ میرج کریں گے پھر انہیں



تائیں گے تم کل آ جانا ہم ماسموہ جا کر شادی کریں گے اگر تمہیں اعتراض ہے تو مت آتا۔“

اس نے نازاں کی جان گویا سولی پر لٹکا دی۔ دوسرے روز آگئی وہ سبکدین والا کے کاغذات بھی لے آئی تھی جو اس نے الزام لگا کر حاصل کئے تھے۔ بونٹ سے چپک آؤٹ کر کے وہ ماسموہ روانہ ہو گئے۔ سبکدین بستر پر اس کے کپڑے ڈال گیا تھا جو اس نے نہا کر بدل لیے اور ہلکا ہلکا میک اپ بھی کر لیا اس نے آئینے میں خود کو دیکھا تو شرمائی۔

”سبکدین میں آج تمہیں جیت لوں گی۔“ وہ پر غرور انداز میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”مولوی صاحب آئیں یہ ہے دلہن۔“ سبکدین خود مولوی کے ساتھ اندر آ گیا اسے دلہن کے لفظ پر گدگدی ہوئی وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

”رہا باب ادھر آؤ“ آفس سے واپسی پر وہ اسے پکار رہا تھا رہا باب بانی کو کندھے سے لگائے تھپک رہی تھی آج بانی نے پہلا قدم اٹھایا تھا اسے بہت خوشی ہوئی تھی وہ دانت بھی نکال رہا تھا سلجوق اور وہ سارا دن بار بار اپنی انگلی اس کے منہ میں ڈال کر بانی سے کھواتے رہتے وہ بھی گفتار پاں مار کر خوش ہوتا جیسے کوئی معرکہ سر کر لیا ہو اس نے بانی کو دیوار کے پاس کھڑا کیا اور خود قدرے دور بیٹ گئی۔

”مجھے پڑو۔“ اس نے بانی بھائی بانی ننھے منے قدم اٹھاتا کرتا پڑتا اس تک پہنچی گیارہ باب نے اسے چوم چوم کر سرخ کر ڈالا تھوڑی دیر پہلے ہی وہ اس کے کندھے سے گئے گئے سویا تھا۔ سبکدین کے جلاوے پر وہ اسے یونہی اٹھائے آگئی۔

”جی۔“ وہ دروازے میں کھڑی تھی۔ سبکدین جوتے اتار رہا تھا۔

”اسے تو جا کر لٹا آؤ۔“ رہا باب کو یوں لگا جیسے وہ بانی کو اس کے ساتھ دیکھ کر خوش نہیں ہوا ہے۔

”تو بے کیا باپ ہے۔“ اسے دل میں دکھ سا محسوس ہوا۔

”جو کہتا ہے کہہ لیں میں ایسے ہی تھیک ہوں“ اس نے بانی کو دوسرے کندھے پر منتقل کیا وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

”یہ بیکٹ اٹھاؤ۔“ اس نے سرمئی شاپر کی طرف اشارہ کیا۔ رہا باب نے اٹھا لیا وہ کافی بھاری تھا اس نے کمرے میں آ کر دیکھا تو خوشی سے اس کا دل بلیوں اچھلنے لگے وہ بی اے کی کتابوں کا سیٹ تھا اس نے بے اختیار کتابوں کو سینے سے لگا لیا۔ وہ سبکدین کو کھانا دینے آئی تو اس نے پیٹنے کا کہا بانی اور سلجوق دونوں سوچتے تھے وہ شدت سے منتظر تھے کہ وہ کیا کہتا ہے کھانا کھا کر وہ ہاتھ دھوئے چلا گیا وہ برتن رکھ آئی۔

”جاؤ اپنی کتابیں لے آؤ۔“ سبکدین ہوا وہ لے آئی۔

”چیک کر لی ہیں ناں تمہاری مطلوبہ کتابیں یہی ہیں۔“ اس کا لہجہ استغباریہ تھا۔

”جی ہاں۔ یہی ہیں۔“

”میں تمہاری کتابیں لے آیا ہوں حالات بہتر ہوئے تو میں تمہارا ایڈمیشن بھی کروا دیتا۔ ابھی تھوڑی سی پراہلم ہے انشاء اللہ بہت جلد تمہاری اسٹڈیز ریگولر ہو جائے گی تب تک تم جو چھوڑ کر مس ہوئے ہیں مجھ سے پڑھ لو“

اس پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری تھی اس کا ذہن اسی جھلے پر انکا ہوا تھا۔ ”انشاء اللہ تمہاری اسٹڈی بہت جلد ریگولر ہو جائے گی۔“ یعنی وہ دوبارہ سے پڑھ سکے گی اپنے خوابوں کی تکمیل کر سکے گی۔ سامنے بیٹھنے اس شخص نے ابھی جو کہا تھا کیا وہ اس کی سماعتوں کا فریب تھا یا سچ تھا۔

”کیا واقعی میں دوبارہ پڑھ سکوں گی۔“ وہ یوں پوچھ رہی تھی جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

”ہاں اس لیے تو تمہاری کتابیں لایا ہوں اب تو یقین کر لو۔“ وہ ہلکے سے جان لیوا انداز میں ہنسا۔

”تھینک یو میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔“ مارے ممنونیت کے اس کی آواز بھرا گئی۔

”میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ ایک احسان اتارا ہے جو برسوں پہلے میرے اوپر کسی مہربان نے لا دیا تھا۔“ اس کی لٹا ہوں

میں دو مضرب لہرایا گیا جب برسوں پہلے وہ لاہور پہنچی سن کا لُج سے اپنے ڈاکو منٹس غلور چا چا کے کہنے پر لینے آیا تھا۔ یہ دیا جلتے رہتا چاہئے تھا اس احسان کے سلسلے کو جاری رہتا چاہئے تھا اس نے کسی سفر نامے میں ایک سیاح کے واقعات پڑھے تھے جس کی جیب انڈیا میں قیام کے دوران کھٹ گئی تھی اس پہ ہونٹ کا ٹیل واجب الادا تھا سفر کے لیے پھوٹی کوڑی نہ تھی اسی پریشانی کے عالم میں اسے ایک سکھ ملا اس آدمی نے اپنی پریشانی اسے بچان کی تو سکھ نے مطلوبہ رقم اسے ادھار دی سیاح نے وعدہ کیا کہ میں اپنے ملک جاتے ہی آپ کی رقم بھیج دوں گا خیر وہ سیاح واپس گیا تو وعدے کے مطابق اس سکھ کو رقم مئی آرڈر کر دی۔ مگر رقم جوں کی توں واپس آگئی سکھ نے خط لکھا تھا کہ جب تم کسی اپنے جیسے پریشان حال پر دیکھی کو دیکھو تو یہ رقم اسے دے دینا برسوں پہلے میں بھی تمہاری طرح کی صورت حال میں گرفتار ہو گیا تھا تو ایک شخص نے مجھے رقم دی تھی میں نے جب اسے پیسے واپس کئے تو اس نے دوبارہ مجھے دے دیئے اور جو میں نے تمہیں کہا اسی نے مجھے کہا تھا کہ لہذا جب تم مجھ سے پھر ائے تو اس رقم کے اصل مستحق مجھے تم ہی جگہ تم بھی اپنے جیسے کسی مستحق کو دے دینا۔“

سبکدوش پر اس قصے نے خاصا اثر ڈالا تھا سو اس احسان کا مستحق رباب کے علاوہ کوئی نہیں تھا جو تھیں پکڑتے پکڑتے گھر سے دور نکل آئی تھی اور اسے واپسی کا راستہ ہی یاد نہیں تھا ضروری تھا کہ اس کی درست رہنمائی کی جائے۔  
 ”کیا ہو گی؟“ اس نے رباب کا دھیان بنانے کی خاطر پوچھا۔  
 ”وکیل یا جرنلسٹ“ اس نے جواب دیا۔

”تم میڈیکل یا ٹیچنگ کے شعبے کو بھی منتخب کر سکتی تھیں لاہور یا جرنلزم پڑھنے کی کوئی خاص وجہ کیوں کہ یہ دونوں شعبے لڑکیوں کے لیے خاصے بارڈ اور ٹھہرتے ہیں۔“

”ہاں ایک وجہ ہے جب میں چھوٹی تھی تو مارشل آرٹ سیکھنا چاہتی تھی تاکہ جو میرے اوپر زیادتی کرے میں اس کے ہاتھ توڑ سکوں رفتہ رفتہ مجھ پر کھلا کر میں خیالی دنیا میں رہتی ہوں جیسے فلموں کی ہیروئن ہوتی ہیں جو دشمنوں کو مار مار کر بھر کس نکال دیتی ہیں میں نے بچپن میں جب پیا زندہ تھے ایک فلم دیکھی تھی مینا کے مرنے کے بعد ایکشن اور مارشل آرٹ کے جوہر میرے ذہن پر چھا گئے تھے اس لیے میں مارشل آرٹ سیکھنا چاہتی تھی جوں جوں بڑی ہوتی گئی حقیقت منکشف ہوتی گئی کیوں نہ میں اپنی ذہانت سے سب کو شکست دوں کہ جو کام میرے ہاتھ نہیں کر سکتے وہ دماغ تو کر سکتا ہے میں کمزور ہوں ارادے تو کمزور نہیں ہیں۔“ وہ جذب سے بولتی تھی۔

”بہت خوب، مان گیا۔“ سبکدوش نے تالی بجائی تو وہ جھینپ گئی۔

”پھر کب سے پڑھائی شروع کرنے کا ارادہ ہے۔“

”بس کل سے ہی شروع کر لیتی ہوں۔“

”گند رات دس سے لے کر بارہ بجے تک کا وقت مناسب رہے گا تب تک ہانی اور سلجوق سو جاتے ہیں تم آرام سے پڑھنا جو ابواب رو گئے

ہیں انہیں جلد کور کرنے کی کوشش کرنا۔“ رباب نے سر بلایا۔

”اب میں جاؤں۔“ وہ اجازت طلب لٹکا ہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کون سا میرے کہنے سے روکے گی۔“ وہ ذومعنی انداز میں بولا تھا۔

رات وہ بانی اور بلوچ کو سلا کر کتا میں لے کر اس کے پاس آگئی اس کے پڑھانے کا انداز عام فہم اور بھرپور تھا اسے کہیں بھی مشکل نہیں ہوئی پہلے دن اس نے اسے ڈیڑھ گھنٹہ پڑھایا۔

”اچھی لڑکی اب سو جاؤں بھر کام کرتی رہتی ہو تھک گئی ہوگی۔“ وہ نرمی سے بولا تو رہا باب کو بہت اچھا لگا کر اتنے دن بعد ہی سہی اسے اس کا خیال تو آیا ہے پھر اس نے اسے اچھی لڑکی کہا تھا یہ پہلا شخص تھا جس نے اس واقعے کے بعد اس کی اچھائی کا اعتراف کیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا رہا باب کے بارے میں اس کے خیالات بدل رہے ہیں یہ ایک خوش آئند بات تھی۔

☆☆☆

سبتین کا دوست آیا ہوا تھا اس نے اسے چائے لے کر ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا تھا۔ وہ ٹرائی کو دھکیلنے لگا اور چلی آئی سبتین کا دوست اسے دیکھ کھڑا ہو گیا تھا رہا باب نے اسے سلام کرنا چاہا تو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”اقتشام بھائی آپ۔“

”رہا باب آپ۔“ دونوں کے منہ سے یک وقت نکلا سبتین دونوں کی حیرانی کو انجوائے کر رہا تھا۔

”تم مجھے شادی پر بلا نہیں سکتے تھے۔“ وہ ناراضگی سے بولا۔

”تم تو ہمیشہ ہی سڑ میں رہتے ہو کیسے بلاتا۔“

”آئی ایم سوری رہا باب میں اور اقتشام دوست ہیں یہ میرا بڑا بڑا دوست ہے اگرچہ ہم دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔“ سبتین نے تعارف کرایا تو رہا باب نے اسے بتایا کہ سڑ جو اے کے خواگے سے ان سے جان پہچان ہے۔

”سبتین تم بہت لگی ہو، رہا باب بہت عمدہ لڑکی ہے مضبوط کردار کی، سچ پوچھو تو مجھے ان بہنوں کی بلند کرداری نے ہی متاثر کیا تھا رہا باب کے خیالات بڑے سچی اور سلیجے ہوئے ہیں آپ نے مجھے بتایا تھا کہ کالج میں پڑھائی کے بعد یہ لڑکی ٹیوشن دے کر گھر آتی تھی راتوں کو جاگ جاگ کر اخبار کے لیے آرٹیکلز لکھتی تھی میں ان بہنوں کی مضبوطی پر بہت حیران ہوتا ہوں ہاں ان کا نہیں ہے بھائی بھی نہیں ہے اس کے باوجود بھی یہ اتنی فرمانبردار اور نیک ہیں۔“ اقتشام نے کہا تو وہ چونک پڑا۔

”اچھا کلک اسی کی بہن ہے وہی لڑکی جسے تم پسند کرتے ہو مجھے یاد آگیا ہے تم دو بہنوں کا بہت تذکرہ کرتے تھے وہ کتنا حسین اتفاق ہے ان میں سے ایک میری بہن بھی ہے۔“

”ہاں تم تو منزل پاچکے ہو میں بھٹک رہا ہوں اور جانے کب تک بھٹکتا رہوں گا رہا باب اور کل جیسی لڑکیاں تو قسمت والوں کو ملتی ہیں۔“

اقتشام کے لہجہ میں حسرت سی تھی۔

"ما یوس کیوں ہوتے ہو، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ، میں تمہارا مقدمہ لڑوں گا۔"

"ہاں تیسری بار مقدمہ لڑا جائے گا اور تیسری بار میں پھر بار جاؤں گا۔"

"اے قنولی نہ بڑا فائدہ بھرت کرے گا میں بھی کچھ کرتا ہوں فی الحال یہ چائے لو۔" سبکدین نے چائے کی پیالی اسے چمائی۔

"سنوکل ٹھیک آٹھ بجے تم اور رہا باب اپنی سی پہنچ جانا تمہاری دعوت ڈیو ہے مجھ پر، اگلے روز تم مجھے اپنی سی میں ڈنر دے کر حساب برابر کر دینا۔" چلتے چلتے احتشام نے اسے پھر یاد دہانی کرائی تو وہ اس کی چالاکی پر مسکرا دیا۔

بانی اور سلجوق کو اس نے شام میں سلوٹ کی طرف چھوڑ دیا تھا رہا باب وارڈروب میں سے کپڑے نکال کر پھیلائے ٹینی تھی سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا پہننا اس کی بری اور جھڑکے اکثر سوٹ یونی سوٹ کیس میں بند تھے کاہل اور ہنسی کپڑے اسے خاص پسند نہیں تھے اس لیے وہ سادہ کپڑے ڈھونڈ رہی تھی۔ ریل اور سیلوٹ کا سوٹ اس نے اٹھا لیا سیلوٹ کمر کا چھڑی وار پاجامہ تھا سیلوٹ کمر کی اوپن شرٹ تھی جس کی آستینوں پر ریلے بارڈر بنا ہوا تھا اسی ڈیزائن کا دوپٹہ تھا۔ اس نے پہن کر دیکھا تو اپنا سراپا اچھا لگا بال برش کر کے اس نے کھلے چھوڑ دیے۔ وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو سبکدین گاڑی نکال رہا تھا رہا باب کا خیال تھا کہ وہ کوئی ستائشی جملہ کہے گا مگر اس نے تو ایک نظر تک نہیں ڈالی اسے افسوس سا ہوا۔ واپس آ کر بھی وہ یونی رہا جانے ایک دم دھت سا کیوں ہو گیا تھا، اس نے سلوٹ کے گھرفون کر کے کہا کہ ہم واپس آ چکے ہیں رحیم کے ساتھ سلجوق اور اپنی کو بھجوا دیں۔

اس وقت رات کے دس بج چکے تھے سردیوں کی طویل رات تھی تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کی نرم و گرم پتاہوں میں بخواب تھے اس وقت رہا باب کا فون کرنا سلوٹ کو حیران کر گیا اور قدرے خوشی بھی اس غیر لڑکی کو جوان کے خیال میں چھوٹی اور نا تجربہ کار تھی بانی اور سلجوق کا کتنا خیال تھا اس کی جگہ کوئی اور موتاہر گزایا نہ کرتا۔ وہ فون کر کے کہہ بیٹور کہ کمری تو سبکدین کو دروازے پر کھڑکے پایا تھا اسے کافی غضب ناک لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ اس وقت فون کر کے بانی کو سلجوق کو بلا نا ضروری تھا وہ کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے تھے انہوں کے پاس تھے۔"

اے سبکدین کا غصہ کرنا بھایا نہیں۔

"مجھے اکیلے سونے کی عادت نہیں ہے ناں اس لئے۔" اس نے ٹولی بگڑی سی دلیل دی۔

"دوسروں کو اکیلا کر دینے کی عادت ہے۔" وہ گھٹی سے بولا اور پلٹ گیا۔ یہ بانی اور سلجوق تو اس کے رقیب بنتے جا رہے تھے جب بھی دیکھو اس کے پاس مجھے رہتے بانی تو اس کی جان چھوڑنا نہیں تھا سلجوق سارا دن کے پیچھے پیچھے گھومتا رہتا اور اس بے خبر کو بھی تو ان دونوں کے سوا دنیا جہان کی کوئی خبر ہی نہیں تھی لگتا تھا اس کی جان ان دونوں میں ہے وہ ذرا بھی اوجھل ہوتے وہ بے قرار ہو جاتی گزشتہ کچھ روز سے اسے یہ محبت و لگاؤ ایک آنکھ نہیں بھاری تھی نہ جانے کیوں جی چاہتا کہ وہ ان سے لاپرواہ ہو جائے۔

☆☆☆

اسے مراد کے ساتھ سولی کپڑوں میں کہیں جانا تھا اس نے مراد سے کہا تھا تم تیار رہنا میں تمہیں اپنی گاڑی میں پک کر لوں گا۔ سبکدین شرٹ پہنے لگا تو دیکھا اس کا اوپر والا ٹخن ڈھیلا ہے یوں لگ رہا تھا کسی بھی لمبے ٹوٹ کر گر جائے گا اس نے رہا باب کو آواز دی وہ بانی کو اٹھائے چلی آئی۔

”یہ بن تو ذرا ٹھیک کر دو۔“ اس نے شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”دیکھیں بانی اتنی مشکل سے چپ ہوا ہے اگر میں نے اسے نیچے اتار تو یہ پھر رونا شروع ہو جائیگا آپ خود بن لگائیں ناں۔“ اس نے بانی کو چمکارتے ہوئے اسے مشورہ دیا تو سبکیٹین کی رگیں تن گئیں۔

”محترمہ سی ایس ایس کے بعد میں نے پولیس کی ٹریننگ لی تھی بن لگانے کی نہیں۔“ اس کا اندرونی غصہ چہرے پر بھی جھلک آیا تھا۔  
ر باب گھبرا گئی۔

”اچھا دیں لگا دیتی ہوں۔“ اسے غصیلے لوگوں سے ڈر لگتا تھا اس لیے بانی کو نچل کے ساتھ کھڑا کر کے فوراً اس کے پاس آئی سبکیٹین خاصا لمبا تھا ر باب کو پنجوں کے بل کھڑے ہو کر بن لگانے کا معرکہ سر کرنا پڑا تھا بانی چلتے چلتے اس کے پاس آ گیا تھا وہ بن کے سوراخ میں سوئی ڈالتے ہوئے بانی کی طرف متوجہ ہوئی۔

”بانی جاؤ بن ایک منٹ“ ہاتھ شرٹ پر مصروف عمل تھے اور نظر بانی پر، سوئی بڑے زور سے سبکیٹین کے سینے میں تھکی تھی۔

”بانی یہ سوئی کہاں مگی۔“ وہ ذرا اونچی ہوئی۔

”یہ ہے سوئی۔“ اس نے زور سے سوئی سمجھ کر نکالی تو دباں خون کا ایک نیچا سا قطرہ ابھرا آیا۔ یہ چھوٹی سوئی تکلیف اس کے لیے خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی، تکلیف تھی تو ر باب کی بے نیازی کی جو اس کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی بانی ہی میں اٹھی ہوئی تھی۔  
”ایم سوئی میں نے دیکھا ہی نہیں۔“

”ہاں میں بھلا آپ کو کہاں نظر آ سکتا ہوں جائیں بانی کو اٹھائیں وہ آپ کے لیے بے قرار ہو رہا ہے۔“ وہ سخت رکھائی سے بولا وارڈ روب سے دوسرا سوٹ نکالنے لگا ر باب کو آپ مخاطب کرتا اس کی تاریکی کی نشاندہی کر رہا تھا مگر ر باب کو کہاں پر دانتھی وہ تو جان چھوٹنے پر شکر ادا کرتی بانی کو لے کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

آج سبھو اس کے بیڈروم میں تھیں گیا تھا اور خاصی دیر اس کی اہم چیزوں سے چھینر چھاڑ کر تار بانہ جانے کس طرح اس نے سیاہی کی بوتل کھولی تھی کھلی بوتل چھوٹ کر فائل پر گر گئی تھی سبکیٹین نے دیکھا تو زوردار چھتر دے مارا وہ زور سے رونے لگا ر باب بھانگتی ہوئی آئی۔

”پاپا انکل نے مارا ہے، پاپا انکل نے مارا ہے، پاپا انکل مندے۔“ اس نے گال پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے تھے اس بدی طرح سے وہ سک کر رہا تھا ر باب نے جھٹ! سے اٹھا لیا تھا۔

”کتنے مشکل ہاں ہیں آپ، آپ جیسا شقی القلب شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا ہے، آپ نے اس معصوم کو کتنی زور سے تھپڑ مارا کیا اسے لگ نہیں ہوگا، غرت ہے مجھے آپ سے۔“ وہ سبھو کے ساتھ خود بھی رو رہی تھی روتے روتے وہ اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

سبھو کسی طرح بھی چپ ہونے میں نہیں آ رہا تھا اسے دیکھ دیکھ کر بانی بھی روئے جا رہا تھا اور وہ ان دونوں کو لپٹائے رو رہی تھی جیسے آج

یہ یتیم ہوئی ہو۔ سلجوق اور رباب نے رات کو کھانا نہیں کھایا اور یونہی سو گئے۔

سبکدین کے دل میں تاسف کی لہری اٹھی اسے خود پر بے پناہ غصہ آ رہا تھا بھلا رباب کا بدلہ سلجوق سے لینے کی کیا تک قہی اس نے تو کبھی اسے ڈانٹا تک نہیں تھا اور آج اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا اسے بھی جین نہیں آ رہا تھا بستر پر جیسے کانٹے لگ آئے تھے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہانی اور سلجوق کے مشترکہ بیڈ روم کی طرف بڑھا۔ ہانی آج بے لڑکاٹ میں سو رہا تھا رباب اور سلجوق ساتھ سوئے ہوئے تھے۔ رباب کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور دوسرا اس کے گرد مضبوطی سے لپٹا ہوا تھا سلجوق نے بھی اسے آخری سہارے کی طرح تھاما ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا اور سلجوق کو اس کے گھیرے سے نکالنے کے لیے جھکار باب کی آنکھ کھل گئی سلجوق بھی جاگ گیا ساتھ ہی اور بھی مضبوطی کے ساتھ رباب سے لپٹ گیا تھا۔

”یار معاف کر دو ناں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔“ اس نے اسے رباب سے الگ کر دی لیا۔

”نہیں ہے آپ ہمارے پاپا انکل پاپا تو بہت اچھے ہیں جب وہ آئیں گے تو میں انہیں بتاؤں گا کہ پاپا انکل بہت گندے ہیں۔“ تو یہ کتنا متکدر لہجہ جیسے باپ بگھنے سے انکار ہو گیا۔

”ہاں ہاں بیٹا بتانا۔“ اس نے اپنے لب سلجوق کے کمال پر رکھ دیئے اور اسے سینے سے لپٹا نا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آج ہم دونوں سوئیں گے صبح میں تمہیں ڈھیر ساری چاکلیٹیں دلاؤں گا۔“ وہ اسے لالچ سے اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔ رباب کو دل میں بہت غصہ آیا وہ اسے اٹھا کر چٹا بنا تھا۔

دوسرے روز ڈیوٹی سے واپس آ کر تمام وقت ہانی اور سلجوق کے ساتھ کھیلا رہا اب ان دونوں کا واضح طور پر جھکاؤ اس کی طرف تھا رات وہ کھیلتے کھیلتے اس کے پاس ہی سو گئے تھے رباب کو بری طرح رونا آیا وہ خالم دیو بچوں پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا تھا وہ ہانی کو لینے اس کے پاس آئی دونوں بھائی سو رہے تھے اور وہ بیٹھا موٹی سی کتاب میں غرق تھا اس نے ہانی کو اٹھانا چاہا تو اس نے روک دیا۔

”آں ہاں نہیں یہ میرے بچے ہیں میرے پاس سوئیں گے۔“

تو کیا وہ ان کی کچھ نہیں گفتی جو ان سے اتنی محبت کرنے لگی ہے پہلے اسے اپنے بچے یاد نہیں آئے جو آج حق جتا رہا تھا اس کے گلے میں پھندا سا لگنے لگا گویا اس کی ساری ریافتیں بیکار رہی تھیں وہ چپ چاپ واپس آ گئی رات ہانی جب گا پھاڑ پھاڑ کر رہا تو والد محترم خود اسے رباب کے پاس چھوڑ گئے۔

☆☆☆

رباب دوپہر کو سو کر اٹھی تو ڈرائنگ روم سے باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں اس نے جھانک تو کھل آئی تھیں ساتھ میں سبکدین بھی تھا۔

”ہائیں یہ کب آئے اور کھل آئی.....“ وہ سوچ رہی تھی۔

”سبکدین بھائی اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے، ارے رباب آؤ ناں رک کیوں گئیں میں آئی تو تم سو رہی تھیں انہوں نے روک دیا کہ مت

اٹھانا۔" نکل کی نظر بولتے بولتے اس پر چڑی تو اسے پکار لیا وہ اس کی گود میں سر رکھ کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"آپنی میں آپ کے پاس آکر رہنا چاہتی ہوں میں بہت خوفزدہ ہوں۔" اتنے دنوں بعد آپنی کو دیکھ کر دل خمدی بچہ بن گیا تھا وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں پر اٹھایاں پھیرنے لگی جیسے امی پھیرا کرتی تھی وہ بھی تورات کو ان کے پاس سوئی تھی نکل کو اکثر اذیت ملتی آ جاتی تھی۔

"اتنی بہادر بنتی ہو چڑیا سا دل ہے۔" وہ اسے پھینکتی تھی۔

"رہا باب تمہارے لیے وہیں کچھ نہیں بچا ہے مت آج کوئی تمہارا خطر نہیں ہے یہی تمہارا گھر ہے کیوں بے گتین بھائی۔" اس نے تائید چاہی۔

"نہیں آپنی میں جانوں گی میری امی کی نشانیاں ہیں نہ بچا اور بڑے ہو کی خوشبو ہے وہیں، میں جاؤں گی اپنے کمرے میں، آپ کے پاس سوؤں گی۔"

وہ مان ہی نہیں رہی تھی نکل رنج، غمی وہ اس بے وقوف لڑکی کو کیسے سمجھائے کہ اس گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں ہے تو رہا باب کے لیے کہاں

گنجائش ہو گی شاہ میر کے پرد پوزل کے بعد فضا میں تاؤ سا آ گیا تھا کیوں کہ افشاں، خسار اور اسماء کے لیے مطلوبہ برائے کل ہی نہیں رہا تھا اس عالم میں کوئی پرد پوزل کل کے لیے آئے کسی کو کہاں گوارا تھا۔ فدا لگ غصے میں تھا جیسے سارا قصور ہی اس کا ہو۔

دور نیل بھی بے گتین اٹھ کر چلا گیا وہی پر اس کے ساتھ احتشام تھا نکل اسے دیکھ کر چونک گئی۔

"رہا باب! وہ مہمان کی خاطر مدد کرتے ہیں۔" بے گتین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور باہر لے گیا۔ کمرے میں خاصی دیر خاموشی طاری رہی احتشام کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

"نکل کیسی ہیں۔"

"نمیک ہوں۔"

"نکل میں آپ کا ایک بار آپ کے گھر بیٹھنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں احتشام خدا را ایسا مت کریں مجھ میں اور تیرے کھانے کی بہت نہیں ہے میرے ساتھ ان تیروں کی لپیٹ میں میری معصوم بہن رہا باب بھی آ جاتی ہے میں خواب نہیں دیکھنا چاہتی۔"

میں خزاں کی دھوپ کا ہوں آئینہ میں اک ہوں کہ ہزار ہوں

کہیں آنسوؤں کے قافلہ کہیں جھنڈوں کی قطار ہوں

کوئی تار انوث کے گر گیا کوئی چاند چھت سے اتر گیا

کسی آسمان کی چال ہوں جو بکھر گیا وہی بار ہوں

"نہیں نکل خدا را ایسے مت کہو میں تمہیں ٹوٹا تار نہیں بننے دوں گا بس تم ایک بار باں کر دو باقی تمام کام بے گتین کرے گا۔" وہ منت سے بولا باب احتشام کی یہاں موجودگی کی وجہ سے سمجھ میں آئی تھی اس خیال سے وہ جینپ مٹی کہ بے گتین کو سب کچھ پتہ ہے۔

"مگر رہا باب کو کوئی نہیں نہیں گنتی چاہئے۔" وہ نیم رضا مندی سے بولی۔



”بابائیں ملے گی رہا اب کو نہیں، اس کے لیے سبکدین کافی ہے یہ اب اسی کا کام ہے تمہیں شاید اس کے لیے اتنا اداس دیکھ کر مجلس ہی ہو جائے۔“ وہ مزے سے بولا۔

”کیوں۔“

”تمہارے لیے کوئی اتنا زیادہ فکر مند ہو تو میں اس سے ڈاکٹر لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا وہ تو مگر پولیس آفیسر ہے آیا مجھ شریف میں کہ نہیں۔“ وہ شوخ لہجے میں بولا تو کل کے چہرے پر نالی چھا گئی۔

رہا اب آدھے گھنٹے سے لڑے سہائے اندر جانے کے لیے بے تاب کھڑی تھی مگر سبکدین دروازے کے آگے جھاکھڑا تھا وہ بار سے ڈانٹ بھی چکا تھا۔

ط

”آپ مجھے اندر کیوں نہیں جانے دے رہے سب کچھ خشن ہو رہا ہے۔“ وہ روہانی ہو گئی۔

”تم کیوں نہیں وقت پر دن کی طرح انری دینا چاہتی ہو، خواہ تو ظالم سنا بننے کا شوق ہے تمہیں۔“ پھر اس نے ڈانٹ دیا۔

”مجھے کوئی شوق نہیں ہے ظالم سنا بننے کا۔“ وہ اس الزام پر ٹھنک گئی۔

”ہے ناں جیسی تو کہہ رہا ہوں اور میرے معاملے میں تم ہی ظالم سنا بنو۔“ وہ مزے سے بولا۔

”اچھا مجھے جانے دیں کافی دیر ہو گئی ہے انہوں نے بات کر لی ہو گی۔“ سبکدین نے اس کو احتشام کی وجہ آمد سے آگاہ کر دیا تھا اس کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ کل آپنی کی ان سے شادی ہو جائے۔

”مجبور ہیں تو ہم عمار تو تم ہو۔“ رہا اب مزے لے کر نکلی تو پیچھے سے وہ منٹا یا اس کے سنی اُن سنی کر دی۔ کرے کا ماحول بدلا بدلا لگ رہا تھا احتشام بھائی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی اور کل آپنی جھینپی جھینپی رنگ رچی تھیں سبکدین کے روکنے کی وجہ سے سمجھ میں آ گئی تھی۔



پھر اس صدمہ کی سب سے حیرت انگیز بات یہ ہوئی کل کے لیے کہ سب گھر والوں نے احتشام کا پروپوزل اوکے کر دیا خوشی سے رہا اب کی حالت غیر ہو گئی تھی امی کے مرنے کے بعد یہ سب سے پہلی اور بڑی خوشی اسے ملی تھی دگر نہ اپنی شادی تو اسے جرم ہی لگتی تھی جب لوگ کہتے کہ بڑی کے بجائے پہلے چھوٹی کی کیوں ہوئی تو اسے بہت دکھ ہوتا اس نے اپنی خواہش اور خوشی سے تو اپنی شادی نہیں کی تھی۔

سبکدین دیر سے گھر آنے لگا تھا وہ اور احتشام دونوں ساتھ نکلے تھے پھر سبکدین نے کل کی شادی کے لیے ڈیڑھروں شاہنگ کی اس کے لیے ٹفٹس خریدے رہا اب کو کل کے لیے اس کی یہ توجہ یہ محبت و اپنائیت بہت اچھی لگی تھی۔ کل کی مایوں کی رات جب سب چلے گئے تو وہ رو پڑی تھی سبکدین اور رہا اب وہیں تھے۔

”کل کیوں رو رہی ہو۔“ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

”آپ نے میرے لیے بھائیوں سے بڑھ کر کیا ہے۔ اگر میرا بھائی ہوتا تو وہ بھی نہ کرتا آپ انسان نہیں فرشتہ ہیں۔“ وہ ہنسنے لگی

لجے میں بول رہی تھی۔

”میں انسان ہوں فرشتہ نہ بناؤ کیونکہ فرشتے میری طرح نہیں ہوتے اور میں تمہارا بھائی ہی تو ہوں تمہاری مشکلات کے دن گئے جا چکے ہیں تم کوئی لاوارث اور بے سہارا نہیں ہو، میں ہوں تمہارا محافظ تمہارا بھائی۔“ اس نے نکل کے سر پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تو وہ اس کے کندھے سے سر نہکا کر خوب روئی وہ دھیرے دھیرے اس کا سر چھتا رہا بچل کے رونے میں کی آگئی۔

نکل اور احتشام کی شادی پورے دھوم دھڑکے کے ساتھ ہوئی۔ عاقب بھی آیا ہوا تھا۔ رباب نے دیکھا اس کا چہرہ بجا بجا سا ہے یہی حال فید کا تھا اس کے چہرے پر سب کچھ کھودینے کا غم نمایاں تھا آنکھیں دھواں دھواں تھیں۔ رباب نے ایک بات نوٹ کی کہ جیسے شادی کی یہ رسمیں مجبوری کی حالت میں سرانجام دی جا رہی ہوں آمد اور رعت چچی کے ہونٹوں پر مجروح سی مسکراہٹ تھی افشیں اور غمار اسے پوری شادی میں نظر نہیں آئیں۔ اسے عریضہ اور مسموم کی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ کتنی تھیں دیکھیں گے جب تمہاری تل آپی کے لیے کوئی شہزادہ آئے گا اور چچا وہ شہزادہ آگیا تھا۔ قیدی شہزادی کو رہا کروا کر وہ آسودہ فضاؤں میں لے گیا تھا جہاں تھیں اور جس نہیں تھا۔ اللہ نے صابر دل کے لیے بشارت دی ہے نکل کو مہر کے انعام میں احتشام جی خوش خبری ملی تھی شادی کے تیسرے دن وہ احتشام کے ساتھ ورلڈ نور پر نکل گئی۔ رباب کو یہ سب خواب لگ رہا تھا جیسے آنکھ کھلے گی تو وہی منظر ہوگا مگر نائی آمد رعت چچی کے اترتے ہوئے چہرے سے باور کر رہے تھے کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔

☆☆☆



سلوط اور گلی دونوں آئی ہوئی تھیں۔ رباب کھانے کے بعد انہیں کمرے میں لے آئی۔

”وینے رباب حیرت کی بات ہے تم نے آج تک بیکٹین کی پہلی بیوی کے بارے میں نہیں پوچھا۔“ گلی بولی۔

”کبھی خیال ہی نہیں آیا۔“ وہ عورت سے مسکرائی مگر آٹک یہ جھوٹ تھا وہ اس کی پہلی بیوی کے بارے میں سوچتی تھی کہ وہ کیسی تھی اسے کہاں ملی تھی اور کیا بات ہوئی تھی اس نے اپنی بیوی کو قتل کیا تھا اس قتل والی بات کو سوچ کر وہ اکثر خوفزدہ ہو جاتی تھی اس کی ہمت ہی نہیں ہڑتی تھی کہ وہ اس سے پوچھے۔

”میری مگی کی پچھو کی بیٹی تھی نازاں، اس کے ساتھ بھائی جان کی شادی ہوئی تھی۔“ سلوط نے دھماکہ کیا۔ ”اور پتہ ہے بیکٹین نے اسے بربکایا تھا وہ اس کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ ماسہرو میں دونوں کی شادی ہوئی تھی پھر اس سنگدل نے نازاں کو قتل کر دیا اور بچوں کو لے کر یہاں آگیا۔“ سلوط کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

رباب کے دل میں زلزلہ برپا ہو گیا کیا واقعی یہ شخص اتنا سنگدل ہے اگر ایسی ہی بات ہے تو یہ کتنا بڑا داکار ہے ستنے روپ ہیں اس کے، سلوط نے نازاں کے رنگ و روپ کا نقشہ کھینچا تھا اس کی بتائی گئی تفصیل کے مطابق وہ بہت خوبصورت تھی پھر اس شخص نے اس..... معصوم سی لڑکی کو کیوں قتل کر دیا جس سے اس نے خود کو میرج کی تھی۔

”رباب یہ تمہاری ہمت ہے کہ تم اس کی بیوی بننے پر تیار ہو گئیں ہم نے شادی سے پہلے تمہاری نانیوں کو بیکٹین بھائی کی زندگی کے ایک ایک گوشے کے بارے میں بتا دیا تھا اس کے باوجود وہ تمہارے ساتھ ان کی ہمت پٹ شادی کرنے کے لیے تیار تھیں ان کا کہنا تھا کہ تم عیب دار ہو۔“

گئی نے ایک تیسری شادی سے پہلے یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ کونسا ہی وار ہے جس کے ساتھ اس کی شادی ہو رہی ہے وہ تو سمجھ رہی تھی کہ گئی اور سلوط بے خبر ہیں مگر یہاں تو سارے جہاں کو اس کے ناکرہ گناہ کی خبر تھی اپنی والست میں تائی نے اس پر احساسوں کا بوجھ لا دیا تھا۔ احتشام اور شاہ میر کے رشتے جب کل کے لیے گئے تو فوراً انکار کر دیا گیا اور سبب تکلیف کا رشتہ فوراً ہی قبول کر لیا گیا تھا اس لیے کہ وہ قاتل تھا شقی القلوب تھا استدلال تھا وہ بچوں کا باپ تھا اس کی انجی ”خوبیوں“ کی وجہ سے اس کی شاندار پر سنائی سے قطع نظر بیاں کر دی گئی تھی اگر مریشہ، عطیہ، افشاں یا مسمو کے لیے ایسا پروپوزل آتا تو کیا اس پر کوئی سوچنے کی زحمت بھی گوارا کرتا کھٹ سے انکار کر دیا جاتا۔

اسے تاجا بچا پر بھی حیرت ہو رہی تھی وہ بیویوں کے بہکاوے میں آگئے تھے ایک قاتل کے ساتھ کس آسانی سے اسے ختمی کر دیا تھا کیا خبر وہ اسے بھی مار کر تیسری شادی کر لیتا۔

# سہ سہ سی

”کیا سبب تکلیف بھائی کو ظلم ہے۔“ سلوط معنی خیز انداز میں بولی تو رباب نے موضوع بدل دیا۔

”آپ کی بھی کہاں ہوتی ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”سہیں ہوتی ہیں اپنے پرانے گھر میں۔“

”انہوں نے جینے کی شادی میں شرکت کیوں نہیں کی۔“ رباب نے پوچھا تو گئی نے کھٹ سے جواب دیا۔

”جینے کے کرتوتوں کی وجہ سے، انہوں نے ان کی کزن کو مار دیا وہ کیسے شادی میں آئیں۔“

رباب کا دل چاہا پوچھے کہ پھر آپ نے یہ شادی کیوں کروائی تھی۔

اسے سوچوں کے حوالے کر کے وہ چلی گئیں رباب کو سبب تکلیف سے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا وہ آیا تو وہ کمرے سے ہی نہیں نکلی رات اس نے زبردستی اسے پڑھانے کے لیے اٹھایا اس کا ذہن کتابوں کے بجائے نازاں اور سبب تکلیف میں پھنسا ہوا تھا اور بلیو پرنٹ اور بلیو لائنوں والی شرٹ پہنے کسی بھی گرم کپڑے سے بے نیاز اسے پڑھا رہا تھا وہ اسے دیکھ رہی تھی مضبوط قدم و قامت کسرتی جسم متناسی نگاہیں عمدہ ڈریسنگ مضبوط عہدہ کیا یہ شخص قاتل ہو سکتا ہے؟ اس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوچا پھر وہ نازاں کے خیالوں میں گمن ہو گئی نازاں جیسی حسین و نازک لڑکی یہ شخص اس پہ مکمل اختیار و دسترس رکھتا ہو گا ان کی محبتوں کی گواہی بانی اور سلوط کی صورت میں تھی نازاں ان مضبوط بازوؤں میں موم بن کر سمٹ آتی ہوگی پھر پھر اس نے کیوں تکیا کیا؟

وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی سبب تکلیف کافی دیر سے اس کی یہ کیفیت نوٹ کر رہا تھا رباب کی نظریں سناٹائی انداز میں لگی ہوئی نہیں تھیں بلکہ ان میں ایک الجھن اور گہرائی تھی۔

”آج یقین آ گیا کہ واقعی میں بہت ڈر ہے۔“ سبب تکلیف نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تو وہ خواہوں میں آگئی۔

”بس میں اب اور نہیں پڑھوں گی نیند آ رہی ہے۔“

وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا رباب کے ذہن میں شور مچ گیا ”قاتل قاتل“

”میں سونے جا رہی ہوں۔“ اس کی حیران نظروں کے سامنے سے وہ اٹھ آئی۔

دوسرے روز سلوٹ اورنگی اسے مئی سے ملوانے لے گئیں وہیں اس پہ پہلی بار عقدہ کھٹکا کہ یہ سبکدوش کی دوسری مئی ہیں۔

”خوب، تو تم وہ ہولڑی جو نازاں کی جگہ لینے آئی ہے۔“ انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے گھورا۔ ”مت اس خوش تہی میں رہنا کہ اسے جیت لوگی۔“ سبکدوشی والا“ میں قدم رکھنے کے خواب دیکھنا چھوڑ دو جیسے نازاں چلی گئی ہے ویسے تم بھی چلی جاؤ گی۔ یوں اوپر۔“ وہ سرگوشی میں بول رہی تھیں۔

”آؤ میں تمہیں اس درندے کا کرہ دکھاؤں جہاں دوز بردستی اپنے سٹلی جذبات کی تسکین کی خاطر اسے لے گیا تھا۔“ وہ زبردستی اسے کھینچتی ہوئی ایک کمرے میں لے گئیں۔

”یہاں..... یہاں نازاں تھی اور وہاں وہ تھا۔“ وہ عجیب بے بے انداز میں بول رہی تھیں۔

”پھوپھو اور حسن میرا سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہیں مگر دیکھنا میں ایک ایک چیز لوں گی، انصر کے مرنے کے بعد انہوں نے میرے اوپر بہت ظلم کیا ہے۔ دیکھو حسن مجھے روز انجمن لگا تھا کہتا تھا کہ میں پاگل ہوں تم بتاؤ میں کوئی پاگل ہوں۔“ وہ اسے جھوڑنے لگیں رباب مارے خوف کے قہر آتی سلوٹ نے اسے چمڑا دیا وہ پھر اس کے قریب آ گئیں۔

”تم بہت نیاری ہو بہت نازک ہو وہ تمہیں گلا گھونٹ کے مارے گا۔“ انہوں نے اشارے سے اسے بتایا۔

رباب کا جی چاہا یہاں سے بھاگ نکلے عجیب وحشت ناک سنا تھا اس گھر میں، رباب نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ گھر تو بہت شاندار ہے مگر فرنگی برائے نام ہے اور جو ہے وہ بھی سینکڑ بیٹہ ہے۔

”دیکھا سبکدوش کی اس حرکت نے ان کا کیا حال کر دیا ہے، ڈاکٹر ز کہتے ہیں کہ یہ نفسیاتی مریض ہیں۔“ سلوٹ نظرت سے بول رہی تھیں۔ جب رباب واپس آئی تو دیکھا کہ سبکدوش کی گاڑی پورچ میں کھڑی ہے اسے بہت خوف محسوس ہوا بانی اسے تو اسے کوئی خطرہ نہیں تھا مگر سلوٹ بھاٹا پھوڑ سکتا تھا وہ ابھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے پوچھا کہاں گئی تھیں تو کیا جواب دینا ہے وہ اوپر سے اترتا نظر آیا۔

”سلوٹ اورنگی کی طرف گئی تھیں۔“ اس نے پوچھا تو رباب نے اثبات میں سر ہلایا منوں بوجھ اس کے سر سے اتر گیا تھا۔

☆☆☆

دو صبح سے بانی اور سلوٹ کو لے کر کہیں گیا ہوا تھا جب وہ رات آتھے بجے کے قریب گھر میں داخل ہوا تو اکیلا تھا رباب کا خیال تھا کہ وہنگی یا سلوٹ کی طرف ہوں گے اس نے فون کر کے پوچھا تو انہوں نے کہا یہاں تو وہ صبح سے نہیں آئے ہیں۔ دو واش روم میں تھا رباب بے چینی سے کمرے میں چکر کات رہی تھی۔

”بانی اور سلوٹ کہاں ہیں؟“ بے قراری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

”جہاں انہیں ہونا چاہئے تھا وہیں ہیں۔“ وہ اطمینان سے بالوں میں برش کر رہا تھا۔

”بتائیں آپ انہیں کہاں چھوڑ آئے ہیں۔“ اسے گڑبڑ کا احساس ہوا۔

”بتایا تو ہے وہ محفوظ جگہ پر ہیں۔“ اس کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔“

”کہیں..... کہیں آپ نے انہیں مار تو نہیں دیا ہے“ اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔

”ہاں۔“

اس ہاں نے رباب کے اندر سوئی ضدی، خود سراور بہادر سی رباب کو بیدار کروایا جو تانک کی پروا کئے بغیر مخالف سے لڑ جاتی تھی اسے یہ بھی

بھول گیا کہ اس کے سامنے قاتل کھڑا ہے اس نے اچانک ہی ہتھیار کا گریمان تمام لیا تھا۔

”ظالم انسان اپنے نام کا ہی بھرم رکھ لیا ہوتا، وہ تو ہرنی کی آنکھ میں آنسو برداشت نہیں کر سکا تھا اور تب تم کیسے باپ ہو اپنے بچوں کو ہی مار

دیا، پہلے بیوی کو مارا اب بچوں کو مار دیا، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ وہ یکدم پھری ہوئی شیرنی بن گئی تھی ہتھیار کو اس نے نوج ڈالا شرٹ پھاڑ

دی۔ نازک باتوں سے پوری قوت سے کام لیتے ہوئے اسے کئے مارے ہتھیار نے اس کا ہاتھ اچانک روک لیا۔

”بس حساب پورا ہو گیا ہے، چاہے تم اس طرح مجھ پر گھنٹوں توٹ صرف کرتی رہو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، مت سمجھو کہ بہت طاقتور ہوا اگر

میں خاموش رہا ہوں تو اس لیے میں کسی پر ناحق ظلم روا رکھنے کا قائل نہیں ہوں، تمہارے میں میں نے تمہیں بیدار کئے تھے وہ حساب اب تم نے پورا کر لیا

ہے اس کے بعد اگر تمہارے حواس ٹھکانے نہیں آئے تو مجھے دماغ درست کرنا اچھی طرح آتا ہے میری نرمی کا اس طرح قائدہ مت اٹھاؤ۔“

وہ دھماکا تو رباب کا دل جیسے رک سا گیا اسے اپنی موت بہت قریب نظر آنے لگی تھی نازاں کی طرح وہ بھی ابھی بے جان ہو جائے گی۔

شاید یہ جیک ہارپر کی طرح کرائم ہسٹری میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے تین قاتل کر چکا ہے چھ تھا میرا ہو گا بائے میری کل آپ اب مجھے کبھی بھی نہیں دیکھ سکیں

گی۔ احتشام بھائی میری صورت کو ترس جائیں گے، ڈی رقیہ، چچی آمنہ اور رفعت چچی کتنی خوش ہوں گی سلوٹ اور لگی کو علم ہی نہیں ہو گا کہ میں مرنے والی

ہوں بانی اور سلوٹ تو مجھ سے مل کر بھی نہیں گئے کاش آخری بار انہیں سینے سے لگا کر ڈھیر سا رانچا کر لیتی اتنا دکھ تو نہ ہوتا کون روئے گا میرے لیے

صرف کل اور احتشام بھائی۔

یہ شخص مجھے یقیناً اذیت دے کر مارے گا وہ لیڈی پولیس بھی تو کبہ رہی تھی کہ ڈی ایس پی کو خوبصورت لڑکیوں پر رحم نہیں آتا۔“

وہ دراز کھول رہا تھا رباب کے دل نے ایک اور بیٹ مس کر دی۔

”ابھی اس میں سے کوئی رہو اور یا شاید کوئی چہرہ اٹالے گا زہر بھی تو ہو سکتا ہے سنا ہے کہ ”سنا سنا“ بہت سریلج انٹارزبرہوتا ہے اگر انسان

نیچے ہاتھ پکڑے تو ناخنوں کے اندر گھس کر انسان کو مار دیتا ہے۔ میرے لیے تو ایک قطرہ ہی کافی ہو گا۔ کتنی تھوڑی عمر تھی میری وہ بھی غموں سے بھری۔“

وہ اس کی طرف پلٹ رہا تھا ہوش و خرد سے بیگانی، دلتی نیچے مری تھی۔

"سماؤ نازاں ہا نو آپ کو بنگٹین اظفر سے نکاح قبول ہے۔" مولوی صاحب اس سے پوچھ رہے تھے۔ اس نے ہلکی ہار ہی اثبات میں سر ہلادیا اس کے لیے بنگٹین کا نام ہی کافی تھا نازاں فتح و کامرانی کے نشے میں اس قدر چڑھی کہ اظفر کو انگریز بھی۔

"تھیک یو نازاں ہا نو تم نے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی ہے۔" مولوی صاحب کمرے سے نکلے تو بنگٹین اس کے بستر کے پاس آکر بولا وہ کچھ نہیں سمجھی بنگٹین نے دروازے کی طرف منہ کر کے کسی کو آواز دی۔

"آ جاؤ دہن صاحبہ انتظار کر رہی ہیں۔" نازاں بھی اس کے دوست کی پیٹیم ہوگی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

"یہ لو اپنی دہن، بنگٹین بس خیال رکھنا چاری تھوڑی پاگل ہے۔" نازاں نے ساری مصنوعی شرم و حیا ہالائے طاق رکھتے ہوئے سر اٹھایا بنگٹین کمرے سے جا رہا تھا اس کی جگہ سرخ سرخ آنکھوں والا ایک شخص کھڑا تھا۔

"کون ہو تم، کیوں آئے ہو میرے کمرے میں، بنگٹین کہاں ہے؟" وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں ہی بنگٹین ہوں میرے ساتھ تمہاری شادی ہوئی ہے۔" اس کی سرخ سرخ وحشت ناک آنکھوں کے برعکس لہجہ خاصا ملائم تھا۔

"تم جھوٹ ہو فراڈ ہو! میری شادی بنگٹین کے ساتھ ہوئی تھی؟" وہ بے قابو ہو رہی تھی۔

"بے چاری لڑکی بنگٹین بتا رہا تھا کہ اس کا دامغ یونہی الٹ جاتا ہے خیر۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا نازاں اسے آگے بڑھتے دیکھ کر فکست خوردہ انداز میں ڈھے گئی تھی اسے یہ حقیقت سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ بنگٹین نے اس سے اس کی مکاری اور جھوٹ کا بدلہ لے لیا ہے۔

دوسرے دن بنگٹین انگریز چہرے پر قاتحانہ مسکراہٹ سجائے اسے مبارکباد دینے آیا تھا ہائی پاتے ہی وہ آہستگی سے بولا۔

"بنگٹین سے اس سارے قصے کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس شادی کو کچھ تو کسی طرح بھی اگر چاہو تو تم کو اطلاع دے سکتی ہو ہاں

یہ مت سمجھو کہ اس بار میں حسن سے مار کھاؤں گا تمہاری مکاری کا اس سے بہتر جواب میرے پاس نہیں تھا۔" پھر اس کے آنے پر وہ خاموش ہو گیا۔

بنگٹین اظفر چوری کے جھوٹے الزام میں اس کے پاس لایا گیا تھا اس کے والدین حیات نہیں تھے وہ بے چارہ اپنا دفاع بھی کرنے کے قابل نہیں تھا بنگٹین جان گیا کہ یہ بے قصور ہے اس کی کوششوں کے باعث بنگٹین اظفر کی جان بخشی ہوگی بعد میں اسی نے بنگٹین کو نوکری دلوائی وہ

کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا بنگٹین نے جھصانہ مشورہ دیا کہ شادی کر لو وہ جب خود پاپا کے چالیسویں پر گیا تو نازاں کو دیکھ کر ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں لپکا اس نے تمام منصوبہ تیار کر لیا اپنی توہین کے احساس سے اب بھی اس کا رواں رواں بھڑک اٹھتا تھا نازاں کو سزا ملنی

چاہیے تھی۔ بنگٹین نے بنگٹین اظفر کو بتایا کہ لاہور میں میری مہی کی کزن ہے وہ مافی طور پر کمزور ہے اسی وجہ سے کہیں اس کا رشتہ بھی نہیں ہو رہا ہے گھر والے لنگ اس سے بیزار ہیں بنگٹین اس کی باقی بات سمجھ گیا اس کا احسان اتارنے کی خاطر وہ نازاں سے شادی کے لیے تیار ہو گیا۔

نازاں نے دل سے اس بندھن کو قبول نہیں کیا تھا ہر وقت اس سے لڑتی جھڑتی رہتی ایسے میں بنگٹین اس کے پاس مشورے کے لیے چلا جاتا۔ نازاں اور بنگٹین کی شادی کے اڑھائی سال بعد سلجوق پیدا ہوا دو سال بعد ہانی آ گیا سلجوق اس سے مانوس تھا انکل کہتے کہتے اس کی زبان نہیں

تھکتی تھی کبھی کبھی بے دھیانی میں اس کے منہ سے پاپا انکل نکل جاتا آہستہ آہستہ اس کا یہ نام پختہ ہو گیا بنگٹین خوب ہنستا پھر اس روز وہ تلخ واقعہ پیش

آیا۔ بیکٹین ان کے گھر آیا ہوا تھا نازاں اور بیکٹین انظر کی چھت پر سے زور زور سے بولنے اور جھگڑنے کی آوازیں آرہی تھیں نازاں بھاگتی ہوئی میڑھیوں کی طرف بڑھی۔

”نازاں تمہیں میری بات سنی ہوگی۔“ بیکٹین نے اترتی نازاں کا بازو تھامنا چاہا تو اس نے جھٹکے سے چڑایا اور لڑکھرائی قلابازیاں کھاتی وہ میڑھیوں سے لڑھکنے لگی آخری میڑھی پر آکر دو ساکت ہو گئی بیکٹین انظر جینے لگا محلے والے جمع ہو گئے بیکٹین ابھی تک اس صورت حال پہ حیران تھا کسی نے پولیس کو اطلاع کر دی نازاں کو ہاسٹل لے جایا گیا اور اسے پولیس پکڑ کر لے گئی مسلسل سات روز ہو گئے تھے نازاں کو ہوش نہیں آیا تھا وہ کوئے میں تھی ادھر پولیس نے بیکٹین کا چار روزہ ریماڈ لے لیا نازاں کے ہوش میں آنے تک بیکٹین انفر سے بیکٹین انظر نے اپنے بچوں کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ چند روز بعد اس کا چاندلہ ہونے والا تھا اس نے کہہ سن کر لاہور ٹرانسفر کر لیا اور سب سے پہلے بانی اور سلوق کو لے کر اس کی نانی کے پاس گیا اس نے تمام حالات بتاتے ہوئے معافی مانگی انہوں نے اس کی کسی بات کا بھی یقین نہیں کیا اور کہا کہ وہ تمہارے ساتھ گھر سے بھاگی تھی تم نے دل بھر جانے کے بعد اسے قتل کر دیا ہے اور اب اس کی بیہوشی کا ڈھونگ رہا ہے۔ وہ حسن کے پاس بیرون ملک چلی گئیں فرزا کی حالت بہت خراب تھی چھو پھو اور حسن نے انظر کی موت کے بعد اسے خوب ستایا تھا حق ٹھہر میں اس کے نام لکھی گئی کوٹھی اچھیالی بینک بیلنس ہزپ کر دیا اور جس گھر میں رہائش پذیر تھے اس کا تمام قیمتی فرنیچر اور چیزیں تک نہیں دیں شکر تھا کہ فرزا گئی اور سلوط کی شادیاں کر چکی تھیں۔ اپنی چھو پھو اور حسن کے اس فراڈ نے ان کا دامنی پلٹ دیا اور وہ اب نارمل ہی ہو گئی تھیں۔

بیکٹین نے سلوط اور گئی کی طرف رجوع کیا وہ اس تمام حالات کا ذمہ دار بھائی کو سمجھ رہی تھیں پھر بھی وہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئیں اس لیے بھی کہ اس نے بھی کو گھر سے نہیں نکالا تھا جاس کے نام تھا پھر بھی دل میں گروہی تھی بیکٹین کا زہر تھا اتنی جلدی کیسے ختم ہوتا بانی اور سلوق سے وہ ایک ماہ میں ہی بیزار ہو گئیں بھائی کو مشورہ دیا کہ شادی کر لو۔ بیکٹین انظر نے اس سے انتہائی تھی کہ بچوں کو حقیقت سے لاطم رکھا جائے وہ مشکل میں پھنس گیا تھا خاندان میں اس کی شہرت قاتل کے نام سے خوب ہو رہی تھی وہ دن اسے جب بانی اور سلوق کو سنبھالنا پڑ گیا تو وہ بوکھلا گیا سلوط اور گئی کی بات سچ نظر آنے لگی کہ شادی ہر مسئلے کا حل ہے اس نے سر جھکا دیا کم از کم وہ رات کو آرام سے سو تو سکے گا۔ ادھر سلوط اور گئی بھی ذمہ داری سے جان چھوٹنے پر خوش تھیں۔

بیکٹین کو بارہا معصوم اور باحیاسی راجہ کا خیال آیا جو بڑی مہربان اور پر خلوص سی تھی اذہائی سال پہلے اس کی بھی شادی ہو گئی تھی وہ اپنے سارے کام چھوڑ کر سب گھروالوں کے لیے تحائف لے کر اس کی شادی میں گیا تھا ویشان اور راجہ دونوں کی شادی ساتھ ہو رہی تھی بیکٹین کو راجہ کا ہونے والا شوہر عہدیم پسند آیا تھا اس کی آمد پہ سب گھر والے بہت خوش تھے بارہا اس سے ایک ہی سوال کر رہے تھے اس نے اب تک شادی کیوں نہیں کی ہے وہ مسکرا کر سب کو تاتار باجب سلوط اور گئی اس کے لیے لڑکی پسند کرائیں تو اسے راجہ یاد آئی اگر اس کی شادی نہ ہو چکی ہوتی تو وہ اسے اولیت دیتا۔ اس دوران وہ ایک بار بیکٹین سے بھی جا کر ملا تھا وہ بے پناہ شرمندہ تھا اس نے کہا تھا جیسے ہی نازاں ہوش میں آکر بیان دے گی میں رہا ہواؤں گا کیونکہ وہ ایک معمولی سی بات پر خود بھڑک اٹھی تھی وہ بانی اور سلوق کے لیے بہت بے قرار تھا بیکٹین نے سلوق کو یہ کہہ کر بھلایا وہ تھا کہ

تمہارے مگی بپا تمہارے لیے بہت ساری چیزیں لینے گئے ہوئے ہیں وہ بھل گیا تھا اس کا اسے پتا انگل کہا سلوٹ اور مگی کو یقین دلا گیا تھا کہ وہی ان کا باپ ہے۔

وہ نیا نیا اس قحانے میں آیا تھا جب رہا ب اس تینوں لڑکیوں سمیت اس کے پاس لائی گئی تھی وہ سب اسے ہی قصور وار ٹھہرا رہے تھے سبکدوش کے اندر ایک اذیت پسند آفیسر چھپا بیٹھا تھا جو بے اختیار اسے مار بیٹھا تھا لیکن گھر آ کر وہ پشیمان ہوا تھا لڑکی معصوم لگ رہی تھی پھر دوسرے روز ہاسپٹل کے کورڈور میں اسے لبو لبان دیکھ کر سبکدوش کو غصہ آیا تھا اور حیرانی ہوئی تھی۔

سلوٹ اور مگی نے بتایا کہ اس کی ہونے والی دہلیز بہت معصوم اور خوب صورت ہے وہ سب کچھ بھلا کر آنے والے خوبصورت دلوں میں کھو گیا دل میں ننھے ننھے پھول کھلنے لگے تھے ایک زندہ جیتے جاگتے وجود پر ملکیت کا احساس نشہ بن کر رگ رگ میں دوڑنے لگا وہ بھی اکیلے چلتے چلتے تھک گیا تھا مہربان زلفوں کا سایہ چاہتا تھا وہ آنے والی اس کے سارے کانٹے اپنے مہربان ہاتھوں سے نکالتی اور وہ اپنی وقائیں اپنے وجود کی تمام تر محبتیں اس کے نام لکھ دیتا سلوٹ اور مگی نے اس ان دیکھی لڑکی کی تعریف کر کے اسے سراپا انتظار بنا دیا تھا۔

اور پھر شب زفاف رہا ب کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اسے جھکا لگا تھا وہ توقع ہی نہیں کر پار تھا کہ وہ اس کی دہلیز ہو سکتی ہے اس نے کتنے شوق سے گھر جایا تھا پھول اس کی راہوں میں بچھائے تھے زم زم نرم گول سے جذبوں پر اس آگری تھی پھر دوسرے روز اس کی بہن نے اس کی عادات کے بارے میں اور اپنے حالات کے بارے میں بتایا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ رہا ب اپنے دلہن پے کی پردا کئے بغیر کس طرح بھاگ کر بچن میں گئی تھی اس کا قیمتی سوٹ سیریلک کر گرنے سے داغدار ہو گیا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی پھر اس نے کتنی جلدی بانی اور سلوٹ سمیت اس کے پورے گھر کو سنبھال لیا تھا۔

پھر ایک روز ایک فکس ڈسٹنڈ تے ہوئے وہ میڈیکل رپورٹس اس کے ہاتھ لگیں جو قحانے سے وہ گھر لے آیا تھا یہ افشاں خمار... اور رہا ب کی میڈیکل رپورٹس تھیں جو جیل کے ہاسپٹل میں لیڈی ڈاکٹر نے ان کے جسمانی معائنے کے بعد مرتب کی تھیں ان تمام رپورٹس میں رہا ب اسد کمال کی رپورٹ بلیکس تھی یہ میڈیکل رپورٹ اس کی بے گناہی ثابت کر رہی تھی۔

سبکدوش اس روز ہلکا پھلکا ہو گیا (اب) قلموں والی بات کثیر کرنی تھی وہ بہت ذہین پولیس آفیسر تھا سچ جاننے کے لیے اس نے رات کی تنہائی کا انتخاب کیا تھا اسے اپنی مردانہ وجاہت و کشش کا خوب اندازہ تھا رہا ب اس کی قربت سے جس طرح بوکھلائی اور چھوٹی موٹی بنی تھی میڈیکل رپورٹ اس سے اور بھی بچی ہو گئی تھی اگر وہ گوہر آبادار سے محروم ہوتی تو اس کی قربت سے یوں ہرگز خوف نہ کھاتی جن لڑکیوں کا ذرا ایک مرتبہ دور ہو چکا ہوتا کم از کم وہ رہا ب کی طرح بے یونہیں کر پاتی ہوں گی۔

وہ زمانہ شاس پولیس آفیسر تھا جان گیا کہ رہا ب ابھی تک کلی ہے پھر جس طرح دی سی آرا آن ہونے پہ وہ کمرے سے بھاگ گئی تھی اس کی بلند کردار پتلی کے لیے یہی بات کافی تھی یقیناً وہ ایک باحیا اور محنت ماب لڑکی تھی جس سے بھی اس دوران اس کی ایک دو ملاقاتیں ہوئیں اس کی حالات جان کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ سبکدوش نے چپ چاپ وہ رپورٹس لے جا کر آئندہ اور رخصت کے آگے رکھ دی تھیں جن میں ان کی لاڈلیوں کے کارنامے درج تھے ان کی ساری اکثر اور غور و خوض ہو گیا تھا۔ کل دھوم دھام سے رخصت ہوئی۔ سبکدوش کے دل میں رہا ب کے حوالے سے خوبصورت



جذ بے پنپ رہے تھے جو بانی اور سلجوق جیسے نئے رقیبوں کی نذر ہو رہے تھے اسے رہا ب کی یہ توجہ ہانکل نہیں بھارتی تھی وہ جب بھی حال دل ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے وہ اپنے راق دلارے ہانی کو لے کر کھڑی ہو جاتی سبکدین نے کل کو بانی اور سلجوق کے والدین کی حقیقت بتادی تھی جسے اپنی شادی کی تیاریوں میں کھو کر رہا ب کو بتانی یاد ہی نہیں رہی۔

خدا خدا کر کے نزاں کو ہوش آگیا اور سبکدین اس کے بیان کے بعد رہا ب ہو گیا: دوش میں آنے کے بعد وہ ہانکل بدل گئی تھی بانی اور سلجوق کے لیے وہ بہت بے قرار تھی جب اسے بتایا کہ صرف بانی اور سلجوق کے لیے سبکدین نے شادی کی ہے تو پہلی بار وہ اس کی ممنون ہوئی۔ سبکدین خود انہیں چھوڑ کر آیا وہ دونوں بہت اداس تھے بانی تو ماں کے پاس جاتی نہیں رہا تھا سلجوق اس سے ناراض تھا کہ اس نے دولہن آئی کو خدا حافظ بھی نہیں کہنے دیا تھا نزاں نے اسے کہا تھا کہ ہم بہت جلد تمہاری دولہن آئی کا شکریہ ادا کرنے جائیں گے۔ اور جب وہ لوٹا تھا تو رہا ب نے ایک نیا کفن کھڑا کر دیا وہ اسے قاتل کبرہ ہی تھی پہلے اسے ہنسی اور پھر غصہ آیا وہ کیسے سب کچھ بھلائے اس سے الجھ پڑی تھی۔

ط

ہو ہو ہو

”اوامانی کا ڈاڑھے کیا ہو گیا ہے۔“ وہ نیچے پڑی رہا ب کی طرف پکاؤ ہے: دوش ہو چکی تھی۔  
 ”اے رہا ب۔“ سبکدین نے اس کے رخسار تجھ پٹائے آواز میں دیں وہ ہنوز اسی طرح پڑی رہی۔ وہ پریشان پریشان اس کے پاس بیٹھا رہا شاید اس کے سخت لہجے نے اسے ہرٹ کیا تھا اس کی بغض ہول کی دھڑکن تقریباً ٹپٹا رہی تھی۔

رہا ب کی آنکھ وقت پر کھلی تھی یہی وہ وقت ہوتا تھا جب وہ اٹھ کر بانی کے لیے فیڈ تیار کرتی تھی اس کے لاشعور کے اندر شاید یہ احساس جاگزیں تھا بھی اس کا ذہن بیدار ہوا تھا سب سے پہلا جو خیال اس کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد وہ جنت میں ہے مگنا بٹ کی آواز واضح تھی نامانوس ہی آوازیں بھی آ رہی تھیں شاید جنت میں کوئی کچا رہا ہے مگر جنت میں تو خوش الحان طائروں کے چہچہانے کا ذکر ہے یہ کوئی انسانی آواز تھی اس نے حواسوں کو حاضر کیا۔

سبھی سبھی ہوئی نکاہوں میں نئی امیدیں میں جگا دوں گا  
 سونی سونی ان راہوں میں پھول ہی پھول میں کھلا دوں گا  
 ان مہکتی ہوئی بہاروں میں تم میرے ساتھ مسکراؤ گی!  
 اس قدر پیار میں کروں گا جس میں تم ہر اک بات بھول جاؤ گی  
 یہ تو اس کے قاتل کی آواز تھی اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اُف وہ ابھی اسی دنیا میں تھی دروازہ کھول کر وہ اندر آ رہا تھا اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

انھو میری زندگی صبح ہو گئی ہے  
 جلدی سے آنکھیں کھولو جا کے منہ دھو لو

سبکدین نے چچا اس کے سر پر بجا یاد دہانی اور سلجوق کو اسی طرح شکلاتے ہوئے جگایا کرتی تھی اور گود میں لے جا کر جیڑ پر بٹھاتی تھی اس کا یہ سادہ و دلکش انداز سبکدین کو بے اختیار ہی سلجوق دہانی کی یاد دلا گیا تھا اس نے لاشعوری طور پر اسے اس کے ہی اسٹائل میں جگایا تھا اب سونے کی اداکاری کرنا فضول تھی وہ اٹھ بیٹھی سینئر ٹیبل پٹاشے کی ٹرے دھری ہوئی تھی اور وہ خود اس کے بیڈ پر تھی دو تیر کی طرح نیچا آئی تھی۔

ہائیں دورات بھر اس کے کمرے میں سوتی رہی تھی ایک قاتل کے کمرے میں۔ اب اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گری تھی۔

”رہا اب اسد کمال خادمہ ناشتہ تیار کر کے لایا ہے ذرا کھا کر بتائیں کیا ہے“

وہ کہیں سے بھی تھانے والا سنجیدہ و بارعب ڈی ایس پی نہیں لگ رہا تھا وہ نہا کر رات والے کپڑوں میں سی بلوس تھا بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے تو یہ ہنوز گلے میں موجود تھا وہ لالہ ابالی سا سنڈوٹ لگ رہا تھا جواں بہنوں کی غیر موجودگی میں خود ہی ناشتہ بنانے کی کوششوں میں لگا ہوا ساتھ اسے اور بھی کام سرانجام دینے ہوں شرٹ کی آستینیں کہنوں تک چڑھی ہوئی تھیں اوپری گلے کے بٹن بھی کھلے ہو گئے تھے بے چارے کو بٹن بند کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی اس لاپرواہی میں بھی وہ بڑا کھل لگ رہا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئی جب وہ کافی دیر تک نہیں آئی تو سبکدین نے آواز لگائی وہ اٹھ کر خود ہی آگیا رہا اب سیز میوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”شیرنی صلاب آئیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے انا آپ سے ڈرنا چاہیے نہ جانے کب آپ بہادری کے مقابلے پر اتر آئیں۔“ وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا۔

رہا اب نے صرف چائے لی اور ہلکے ہلکے پینے لگی تھیں گئے تو اس نے ہاتھ بھی نہیں دگایا اسے بار بار بانی اور سلجوق یاد آ رہے تھے آنکھوں میں ان کی صورتیں گھوم رہی تھیں اُسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا یہاں تک کہ سامنے بیٹھا یہ شخص بھی۔

”یار ابھی تک تمہارا قصہ نہیں اُترا اور طاقت آزمائی کر لو تم لے لو مجھ سے جو تمہارا ہاتھ روکا ہو“ سبکدین نے غرے پرے سر کا دی۔

”نڑکیاں خواخوہاچی مظلومیت اور کمزوری کا دھندرا جیتی ہیں کہ جی ہم کمزور ہیں مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتیں مالاکنہ قدرت نے ان میں مقابلہ کرنے کے لیے مفت کے ہتھیار خون کی صورت میں سوپے دیں جو تیر و تلوار سے زیادہ مؤثر ہیں تم بھی ان سے کل کی طرح کام لے سکتی ہو۔“ وہ واقعی بہت سنجیدہ لگ رہا تھا رہا اب کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

”بانی اور سلجوق کہاں ہیں۔“ وہ در و بھرے لہجے میں بولی۔

”یہ بانی اور سلجوق کے محل وہ ہم کسی اور المیہ پٹاشے میں کر سکتی بتایا تو ہے وہ اپنوں میں ہیں۔“ وہ ناراضگی سے بولا۔

”آپ سے بڑھ کر ان کے لیے کون اپنا دوگا۔“ رہا اب کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔

”مجھے بس ایک بار ان سے ملوادیں۔“ وہ بے اختیار تھی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تمام گئی تھی۔

”ٹھیک ہے ملوادیں گا۔“ وہ بد مزاج ہو گیا۔ یہ بانی اور سلجوق اوجھل ہونے کے بعد بھی اچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

”خازاں اور سبکدین جلدی آؤ مجھے اس بحران سے نکالو۔“ اس نے دعا کیے انداز میں ہاتھ اٹھائے رہا اب کچھ نہیں سمجھی۔

پھر نازاں اور سبتگین آگئے بعد ہائی و سلوٹ کے رباب تو جہاں تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

”مئی یہ ہی دو لہن آہی ہیں میں اور بانی رات ان کے پاس سوتے تھے یہ بانی کا فیڈ رہی بناتی تھیں۔“ سلوٹ اس پیاری سی درمیانی عمر کی عورت کو لیے آگے بڑھا رباب سلوٹ سے لپٹ گئی تھی نازاں اور سبتگین اس کی حد درجہ محبت سے بہت متاثر ہوئے آج نازاں کو پہلی بار اپنی غلطیوں کا احساس ہوا تھا اس نے محبت سے رباب کو لپٹا لیا تھا سبتگین غلغلی بھی بڑی اپنائیت سے ملے بانی تو ہلک کر اس کی گود میں آ گیا تھا جس سے وہ بے پناہ خوش ہوئی۔

”سبتگین تم ایک مکمل مرد ہو تمہیں رباب جیسی مکمل لڑکی ہی ملنی چاہیے تھی۔“ نازاں کی آنکھوں میں کچھ تاروں کا دکھائی دینا لگا تھا۔ سلوٹ اور گئی بھی بھائی کے بلاوے پر آگئی تھیں نازاں کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ اپنے خیالات پر بے پناہ شرمندہ ہوئیں نازاں اپنی مئی کا پوچھ رہی تھی ان کی خود غرضی اور طوطا چاشی پر اسے دکھ ہوا تھا وہ سب کچھ سمیٹ کر حسن کے پاس ہی چلی گئی تھیں ان دونوں ہاں بیٹے نے ایک بار بھی تو اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ شکر کیا تھا کہ اس نے لڑکا پھانس کر انہیں جبر دینے کی زحمت سے بچا لیا تھا۔ نازاں غرزاں کے پاس بھی گئی وہ اٹھا کر اس پر چیزیں پھینکتی لگیں سبتگین اخگر کو نازاں کے ماضی کے بارے میں غلم نہیں تھا اور اس کا لاطم رہتا ہی بہتر تھا۔ نازاں کو پہلی بار شوہر کی بوائی اور وقاؤں کا احساس ہوا وہ اسے اور بچوں کو آرام و سہولیات دینے کی خاطر لمبے پناہ محنت کرتا تھا مگر اسے احساس ہی نہیں تھا یہاں آ کر اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں سبتگین کتنا اچھا تھا اس کے کشیا پن کے بارے میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا ہاں یہ الگ بات تھی کہ بعد میں سب اس بات سے واقف ہو گئے تھے۔ رباب نے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا وہ تین روزان کے گھر رہے سلوٹ نے وعدہ کیا تھا کہ ملے آتا رہے گا بانی کو چھوڑنے کا رباب کا دل ہی نہیں چاہتا تھا پر ایسا کرنا تو تھا ہی وہ اس کے ماں باپ تھے ان سے الگ کہاں رہا جاسکتا تھا۔

رباب اکیلی بیٹھی سوچوں میں گھومتی ہوئی تھی کیسے کیسے انکشافات ہوئے تھے سبتگین کی ذات جو جہل بنی ہوئی تھی آج کھل کر سامنے آئی تھی اپنی کم مائیگی کا احساس شدید تر ہو گیا تھا وہ مسرت لگیں تھا مگر رباب کے ہاتھ ہرگز صاف نہیں تھے اس کی ذات خود اس کی اپنی نظر میں شلوک و شبہات کا شکار ہو رہی تھی وہ بھلا کیا تھی؟ اس سے اچھی تو کل آہی رہی تھیں جنہیں ایک چاہنے والا مل گیا تھا۔

اسے لگتا تھا کہ سبتگین کی نگاہیں کوئی پیغام دینا چاہتی ہیں اس نے مکمل کر اٹھا نہیں کیا تھا ڈھکے چھپے معنی خیز انداز میں اشارہ دے دیا تھا۔

”اوہو کیا سوچا جا رہا ہے۔“ سبتگین اندر آ گیا تھا۔

”کچھ نہیں“ وہ ہاتھ کی لکیروں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

”یقیناً تم میری ذات کے بارے میں سوچ رہی ہو چلو آؤ تمہیں آج اپنے بارے میں بتا دیے ہیں۔“ وہ فلوور کشن تھیں کہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ”اٹھائیس سال پہلے انگر گیلانی کے گھر میں، میں نے جنم لیا چار سال کا تھا جب ممانوت ہو گئیں پپانے بہت جلد دوسری شادی کر لی تھی ماما اور میں دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند نہیں آئے ہمارے درمیان ہمیشہ ایک سردی کیفیت رہی پھر سلوٹ اور گئی پیدا ہوئیں میں یہ سمجھتا تھا کہ ان کی وجہ سے ہمارے اوپر توجہ نہیں دیتے اس لیے ان کی خوب ہٹائی کرتا فرزامی منہ سے تو کچھ نہ کہتیں مگر دل میں ذہر پالتی رہیں جو ڈائریکٹ سلوٹ اور گئی میں منتقل ہو گیا، جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا اپنی حرکتوں پہ مجھے شرمندگی ہونے لگی میں سلوٹ اور گئی سے یوں اور کھیلنا چاہتا تھا مگر مئی انہیں روک دیتی۔

مگی کی کزن نازاں بھی ہماری گھر میں رہتی تھی، مجھ سے تین برس بڑی تھی مجھے علم ہی نہیں ہوا کہ میرے بارے میں اس کے خیالات بدل گئے ہیں جب علم ہوا بہت دیر ہو چکی تھی وہ خود رات میرے بیڈ روم میں چلی آئی اور میرے انکار پر چیخنا شروع کر دیا اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے گھر والوں نے انتہائی قابل اعتراض حملے میں مجھے اس کے ساتھ کچلا پہلے نازاں کے بھائی حسن نے مجھے مارا پھر بیٹا نے، یقین کرو کہ مجھے مار کا انسوس نہیں تھا..... انسوس تھا..... تو اس اثرام کا تھا جو میرے اوپر لگایا گیا تھا میں کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا حالانکہ منف نازک نے مجھے بہت جلد احساس دلانا شروع کر دیا کہ میں بہت خاص ہوں، پیا جب مارتے مارتے تھک گئے تو کہا کما سے اٹھا کر کوڑے کے ذریعہ میں پھینک آؤ۔"

سبکدوشی میں پہنچ کر رک گیا اندرونی خلفشار سے اس کی رگیں تن گئی تھیں رباب دم بخود سن رہی تھی

"پھر ہمارے نوکر کا بیٹا مجھے خیراتی ہاسپتال لے گیا میں ٹھیک ہوتے ہی وہاں سے بھاگ گیا محدود ری کی اور پھر کراچی چلا آیا جہاں غفور چاچا کا ہوٹل تھا میں نے ڈش واشنگ کی، ویٹر بنا وہ جان گئے کہ میں وہ نہیں ہوں جو بنا ہوا ہوں ان سے بات کرنے کے بعد میں اپنے ڈاکو منٹس لینے لاہور آیا وہ پھر مجھے اپنے گھر لے گئے ان کی ایک بیٹی تھی رابعہ فرسٹ ایئر میں پڑھتی تھی بہت خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی تھی۔"

سبکدوشی نے دیکھا رباب بہت غور سے سن رہی ہے۔

"میں رابعہ سے اور وہ مجھ سے محبت کرنے لگی جب میں ہی ایس ایس کرنے کے بعد ٹریننگ کے لیے وہاں چلا آیا تو ہم نے وعدہ کیا کہ ایک دوسرے کو کبھی نہیں بھولیں گے میں اس سے شادی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔" رباب کے چہرے پر تاریک ماسا یہ لہرایا سبکدوشی نے خود کو شاباش دی رباب بڑی گہری لڑکی تھی اپنے بارے میں اس کے خیالات وہ جان ہی نہیں سکتا تھا جان بوجھ کر رابعہ کے بارے میں جھوٹ بولا تھا تاکہ دیکھے تو سبھی اس کا ری ایکشن کیا ہوتا ہے اس کا یہ وار کا میاب رہا تھا پھر وہ نازاں کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کے ساتھ اپنی شادی کے سلسلے کا بتایا اپنی پسندیدگی قصداً گول کر گیا۔

"رابعہ کیسی تھی۔" جب وہ خاموش ہوا تو رباب نے پوچھا۔

"بہت حسین تھی یہ گھنٹوں سے نیچے ہال چکی کر غلافی آنکھیں میدے سی رحمت متوازن ناک وہ شبنم تھی چاندنی تھی خوشبو تھی بہار تھی۔" وہ آنکھیں بند کئے جذب سے بولا رباب کے اندر کسی نے جیسے توڑ پھوڑی مچادی۔

"آپ نے اس کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔" وہ کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے مسکرائی۔

"ہاں شادی کا وعدہ کیا تھا اس نے میری شادی کا سن کر خود کشی کرنے کی کوشش کی تھی خواب آور گولیاں کھالی تھیں بڑی مشکل سے جان بچ سکی اس کی اور میرا نہ پوچھو بہت برا حال تھا۔ اسے اسٹریچر پر پڑے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں بھی اس کے ساتھ مرجاؤں اس کے بغیر میرے لیے زندگی بے معنی تھی بے رنگ تھی اس نے مجھے جینا سکھایا تھا غور چچا کے میرے اوپر بہت احسانات تھے بلکہ ہیں میں ان کا بدلہ اتارنے کی سوچ رہا ہوں۔" اس نے کن آنکھوں سے رباب کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"آپ جب اسے اتنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ ہی شادی کر لی ہوتی۔" وہ تڑپ کر بولی۔

”میں مجبور ہو گیا تھا۔“ وہ غضب کی اداکاری کر رہا تھا۔

”ہونہ مجبور اور مرد..... مجبور تو عورتیں ہوتی ہے۔“ سختی سے بولی۔

”میں مجبور تھا یقین کرو ہانی اور سلوک کو شاید وہ میرے اور اپنے درمیان پسند نہ کرتی میں خود بھی ان دونوں کی وقتی ذمہ داری اس کے اوپر ڈالتا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ بہت نازک تھی کہاں دو بچوں کو سنبھال پاتی تم تو کمال کی لڑکی ہو شو ڈنٹ ہوتے ہوئے بھی اتنی پھرتیلی ہو جبکہ رابعہ تو کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی میں نے بھی اس سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں شادی کے بعد کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گا اس کے ہاتھ بہت نازک اور گداز ہیں گلاب کی طرح بلکہ وہ تو خودی سراپا گلاب ہے! تم نے دیسے پر جو سوٹ پہنا تھا وہ میں نے اس کی پسند پر اس کے لیے لیا تھا بارہا اسے اس ڈریس میں دیکھا تھا خیر اس کے لیے اور لے لوں گا ڈنٹ وری الاؤٹ اس کے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے، میں تو ہوں ہی اس کا۔“

وہ حیرے سے کہندے ہاتھ رابعہ باب اندر ہی اندر جیسے گہرائیوں میں گرتی جا رہی تھی۔

”تو یہ ہے تمہارا اصل روپ ڈی ایس بی سیکٹین انفرمیلانی، رابعہ ہے وہ بستی جس نے تمہیں پیش قدمی سے روکا ہوا ہے تم نے پیش قدمی کی بھی تو اپنے مطلب اپنی غرض کے لیے تاکہ سچ جان سکو تم مجھے ہانی اور سلوک کی آیا بنا کر لائے تھے، اسے شادی کے بعد کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دو گے میں نے کیا قصور کیا تھا کیا میں تمہیں مری پڑی لگتی ہوں جو تم نے دن رات مجھ سے نوکرانیوں کی طرح کام لیا۔“ اس کا دل اندر سے زور ہاتھ دھر دے کا بہانہ بنا کر اٹھ گئی۔

لے گا اور کیا عالم امتحان ششے کا  
انگیوں پہ بیرے کی ہے نشان ششے کا  
بکراں سمندر میں مختصر جزیرہ ہے  
سکتیاں ہیں پتھر کی اور بادیاں ششے کا

☆☆☆

میں جگر کے عذاب سے انجان بھی نہ تھی  
 پر کیا ہوا کہ صبح تک جان بھی نہ تھی  
 آراستہ تو خیر نہ تھی زندگی کبھی  
 پر تھم سے قبل اپنی پریشان بھی نہ تھی  
 جس جاکیں بنے کے دیکھے تھے میں نے خواب  
 اس گھر میں ایک شام کی مہمان بھی نہ تھی

صبح اس کا سر درد سے پہٹا جا رہا تھا تمام رات جلتے جلتے مگزی تھی سبکدین کی خود غرضی پر اسے بہت تاؤ آیا تھا وہ ناشتے کے لیے بھی نہیں  
 اٹھی وہ خود ناشتہ کر کے چلا گیا تھا اسے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا باب نے خود سے سوال کیا کہ اس کے معنی خیز جملے شوخ لگا ہیں اور شریر سے پیغام کیا  
 تھے دل نے کہا کہ اپنی غرض پوری کرنے کے بہانے تھے محض نظر کا دھوکا سے صرف استعمال کیا گیا تھا۔  
 وہ آئندہ کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ رفعت چچی کا فون آگیا خلاف توقع وہ بیٹھی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں اس نے بے اختیار پوچھا میں  
 آ جاؤں انہوں نے فراخ دلی سے اجازت دے دی وہ گھر جوں کا توں چھوڑ کر چلی آئی چچی اور تائی ناراض ناراض نگ رہی تھیں لگ رہا تھا کہ کوئی  
 طوفان آ کے گزرا ہے اللہ اس، غمار، اسما اور دھوکا سلوک حیرت انگیز طور پر بدلا ہوا لگ رہا تھا وہ سب کہتے بااخلاق اور محبت کرنے والے لگ رہے  
 تھے۔ رات ساری گزرا ایک کمرے میں جمع تھیں اللہ اس اور غمار نے اس سے معذرت کی اور بہت روئیں آئندہ اور رفعت چچی اسے رازدارانہ انداز میں  
 الگ لے گئیں۔

"پتہ ہے تمہیں کچھ، بھائی صاحب تمہاری فیکٹری کا پیرہ کتنے سالوں سے اڑا رہے ہیں علیہ عیش کی شادی جو شہزادیوں کی طرح ہوئی ہے  
 تمہارے پیسوں سے ہوئی ہے فیکٹری کی منگنی پر جو ٹھٹھ بھٹ دیکھنے میں آئے ہیں تمہارا حق مار کر دکھائے گئے ہیں غذا کی مار، دقتیوں کا مال کھانے  
 والوں پر کرڈروں روپے کھا کچے ہیں میان بیوی۔"  
 آئندہ نے دانت پیسے۔

"مگر چچی تاپا ابو کہتے ہیں کہ فیکٹری تو خسارے میں جا رہی ہے انہوں نے اپنا پیسہ لگا کر اسے سہارا دینے کی کوششیں کی ہیں جو تا کام ہوئیں  
 تاپا کے کہنے کے مطابق تو فیکٹری کئی سال سے بند ہے۔" وہ یقین ہی نہیں کر پار رہی تھی۔  
 "اے لو سنو رفعت، دیکھا ہے کو کیسے بے وقوف بنایا ہے فیکٹری تو کبھی بھی بند نہیں ہوئی تھی اسد بھائی جب فوت ہوئے تو فیکٹری خوب  
 منافع دے رہی تھی بھائی صاحب نے پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کی ہے الٹا تمہارے پیسوں سے تجوریاں بھرتے رہے تم بھائی صاحب سے اپنا حق

مانگو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں خود کو کیا امت سمجھتا" چچی نے اسے سینے سے لگا لیا آج اسے بہت اطمینان محسوس ہوا تھا۔

"رہا اب تم سے ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی۔" آمنہ چچی نے اس کی پیشانی چومی تو وہ شرمندہ ہوئی۔

"کریں ناں۔" وہ محبت سے بولی۔

"بینا سبکدوشی کے پاس افشاں اور غمار کی میڈیکل رپورٹ ہے تم وہ ہمیں لا دو کیسے کہوں تم سے شرم آتی ہے، ہم نے جہاں پہلے افشاں اور غمار کی شادی سے انکار کیا تھا ان سے پھر تعلق جوڑ لیا ہے تمہوڑے عرصے میں شادی ہو جائے گی اللہ بھی تو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے تم ہم پر احسان کرو دوسری بچی، ہم بہت شرمندہ ہیں افشاں اور غمار کو معاف کر دو۔" وہ دونوں رو رہی تھیں رہا اب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کوئی میڈیکل رپورٹ کی بات ہو رہی ہے اور وہ رو کیوں رہی ہیں بہر حال اس نے گھبرا کر حامی بھر لی۔

"دیکھنا گھر میں ہی کہیں ہوں گی کسی الماری یا دراز میں۔" آمنہ لجاجت سے پولیس بھروہ فہد کو کوٹے لگیں جس نے ناحق رہا اب کو مارا۔



وہ لان میں ٹھہر رہی تھی کہ تائی نے اسے پکار لیا اس کا جانے کو جی نہیں چاہا رہا تھا پھر بھی وہ ہٹلی گئی۔  
 "کب سے انتظار کر رہی ہوں ٹھیل جا کر آؤ کھانا کھا لو کتنے دنوں بعد تمہاری صورت نظر آتی ہے۔"  
 تائی نے کرسی تھپتھپ کر لگا ل کر دی۔ رہا اب کو ایک اور شاگ لگا ٹھیل پھری ہوئی تھی۔

"ان چیلوں نے خوب تمہارے کان بھرے ہوں گے مگر یاد رکھنا انہوں نے جو کہا وہ جھوٹ ہے تم یہ لو قیشری کی چابیاں اور جا کر دیکھ آؤ خود اپنی آنکھوں سے اللہ ہمیں قیسموں کا مال کھانا نصیب نہ کرے۔"

تائی بین کرنے لگیں رہا اب حق دق رہ گئی چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں اور تائی بری طرح رو رہی تھیں۔

"مجھے پتہ ہے تم ناراض ہو فہد کی وجہ ہے، پر یہ ان حرافوں کی وجہ ہے ہوا ہے بڑی پار سانی پھرتی تھیں تم مجھے افشاں اور غمار کی میڈیکل رپورٹ لا دو دیکھنا پھر کیسے تمہاری بے گناہی ثابت ہوتی ہے میری بچی تو حوروں کی طرح پاک ہے فکر نہ کرنا دیکھنا تھپتھپ لگانے والوں کا حشر کیا ہوتا ہے تم بس مجھے میڈیکل رپورٹ لا دو۔"

یہاں بھی میڈیکل رپورٹ کا چکر تھا اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا وہ کیا کرے پھر اس نے تائی کی بات ماننے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ اس کی بے گناہی ثابت کرنے کی بات کر رہی تھیں۔ رہا اب دوسرے روز مغرب کے وقت لوٹ آئی گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا ہر چیز ویسے ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گئی تھی اسے انجان سا خدشہ ہوا اسی وقت فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف سلوٹ تھی۔

"جھینکس کاؤم آگئیں بھائی جان کی حالت کل سے خراب ہے میں رات ادھر ہی رہی تھی تمہوڑی دیر پہلے آئی ہوں ڈاکٹر میرے سامنے بھائی جان کو دیکھ کر گیا ہے ان کی دوائیاں سر بانے پڑی ہوئی ہیں ہر دو گھنٹے بعد دینا۔" سلوٹ تفصیل سے بتا رہی تھی۔ رہا اب اندر آئی تو دیکھا کہ وہ بے سدھ پڑا ہوا ہے چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا کمرہ کھرا ہوا تھا اس نے جلدی جلدی چیزیں سمیٹیں اور وہ بارہ اس کے پاس آئی سبکدوشی کا بخار شدت پکڑ چکا تھا رہا اب نے بیٹر بند کیا پھر اس پر سے کپل اتارا اس کی شرٹ کے جن کھولے تاکہ اس کا ٹیپر بچہ رل ہو۔

سادن کا مہینہ شروع ہو چکا تھا دو تین دن ہونے والی بارشوں کی وجہ سے ٹھنڈک ہو گئی تھی شاید بے احتیاطی کی وجہ سے اسے بخار ہوا تھا کیونکہ رہا ب نے پوری سردیوں میں اسے ایک ہار بھی گرم کپڑوں یا سوئٹر میں نہیں دیکھا تھا مزے سے ہلکی سی شرٹ اور چنٹ میں گھومتا اور اب یوں بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا یوں لگ رہا تھا دورانِ ویوٹی ہی اس کی طبیعت بگڑی ہوئی کیونکہ یو نیٹارم اس کے جسم پر موجود تھا جسے بدلنے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا رہا ب نے اس کی دھڑکن کو محسوس کیا جو بے حد تیز تھی۔

رات بار و بجے رہا ب نے اسے بمشکل دوا کھائی پھر رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب نیند سے بے حال ہوتے ہوتے وہ سو گئی تھی۔ سبکدوش کی طبیعت تقریباً چار بجے کے قریب کہیں جا کر سنبھلی اسے اب سردی لگ رہی تھی پسینہ بھی آیا تھا اس نے دیکھا میٹر بند ہے کہاں اس کے اوپر سے اتر ا ہوا ہے شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے ہیں اور وہ خود اپنے ہی بازوؤں میں سر دیچے سو رہی ہے سبکدوش نے اسے یونی ر ہنے دیا اور کمبل اوڑھ کر سو گیا اب وہ مصنوعی بیمار بن کر اس کی تار داری کے سلسلے کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔

صبح دوا ٹھہ کر فوراً ہی گیم میں لگ گئی پھر دس بجے کے قریب وہ اس کے لیے سوپ بنا لائی سبکدوش نے اسے آنکھیں بند کئے سست انداز میں پڑا رہا رہا ب نے مشکل سے اُٹنے کے سبکدوش کو بازو کا سہارا دے کر اٹھایا اس کو شش میں اسے دانتوں پیچے آگئے یوں لگ رہا تھا وہ کوئی ہسپتال میں مجسمہ ہے جسے ہلاتا بھی دشوار ہے وہ تھا ہی اتنے مضبوط اور کسرتی جسم کا مالک کہ رہا ب جیسی لڑکی کے لیے اسے سہارا دے کر اٹھانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اس جدوجہد میں اس کی صندلی رنگت سرخ ہو گئی تھی۔

اس نے سبکدوش کو سوپ کا باؤل پکڑا نا چاہا اس نے آگے ہاتھ نہیں کئے اس کا مطلب تھا کہ یہ کام بھی اسے ہی کرنا ہے۔ رہا ب گھر کے کام کاج سے غائب ہو گئی تھی اس نے سبکدوش کے لیے کالی مرچوں والی بغیر تھی کی مرچی بنائی۔ جب وہ اندر لے کر آئی تو وہ سو رہا تھا رہا ب نے اسے آنکھوں سے بلایا وہ کمزوری کے عظیم الشان رویا کا روڑ توڑا ٹھہر گیا۔ کالی مرچوں کی چٹکی مرچی دیکھتے ہوئے اس کا پارہ بانی ہو گیا پھر اسے خیال آیا کہ وہ بیمار ہے "کھاؤ سبکدوش گیلانی یہ بیوقوفوں والے کھانے۔"

"میرا سر دباؤ دور ہو رہا ہے۔" اس نے فرمائش کی وہ کتنی دیر اس کا سر دباتی رہی پھر ہر پانچ منٹ بعد پوچھتی اب آرام ہے وہ ہر بار نفی میں جواب دیتا آخر میں وہ جل گئی۔

"اپنی رابہ سے کہیں وہی دہائے آکر۔" وہ جل کر بولی تھیں سبکدوش ہنستا چلا گیا۔

رات وہ اپنے بیڈروم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا رہا ب کتابیں لے کر پڑھنے بیٹھ گئی چند منٹ بعد ٹی وی بند کر کے وہ اس کے پاس چلا آیا۔ "شاہش میرے کمرے میں آکر پڑھو۔" وہ رعب سے حکم دے کر چلا گیا۔ رہا ب کچھ سوچ کر چلی آئی وہ کمرے میں نہیں تھا پھر وہی دروازے لاک کر رہا تھا رہا ب نے جلدی جلدی اس کی پرسل دروازہ کھولی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارا مطلقاً چیز سامنے تھی اس نے اشتیاق سے پہلا صفحہ کھولا سب سے اوپر اسی کی رپورٹ تھی اس نے سب کچھ پلٹ ڈالا اور وہ بلیو فائل جس میں یہ رپورٹس تھیں اس نے نکال کر بیڈ کے گدے کے نیچے رکھ دی۔ وہ دوا جس آ رہا تھا رہا ب بیٹھ گئی اندر سے دل دھک دھک کئے جا رہے تھا۔



”آپ کی جانی چچی اور کرنز تو ٹھیک ہیں۔“ وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے عام سے لہجے میں بولا۔

”جی۔“ اس نے جی کہنے پر اکتفا کیا۔

”اگلے ہفتے آپ کا ایڈمیشن ہو جائے گا۔“ سبکدین نے اسے خوشخبری سنائی مگر باب کو خوشی نہیں ہوئی۔

”آپ خواجواہ اتنا تردد کر رہے ہیں جب ہمیں الگ ہونا ہے تو یہ احسان کرنے کا فائدہ۔“ اس نے بڑی مشکل سے یہ جملہ ادا کیا تھا۔

”باب اسد کمال تم نے میری بہت مدد کی بانی اور سلق کی دیکھ بھال کی میرے گھر کا خیال رکھا کیا اس کے بدلے میں تمہارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا۔“ گویا احسانوں کا بدلہ تھا خدشات کا صلہ تھا باب کی آنکھ سے دو آنسو ٹپکے اور زمین میں غائب ہو گئے سبکدین نے دیکھ لیا تھا بکھری انہوں کے ساتھ آنسو منبٹا کرتی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی اس کے بالوں کی گھنی چھایا حلقہ کرا گئے آگئی تھی وہ پتہ سرک گیا تھا۔

”باب تمہارے بال بہت لمبے ہیں۔“ وہ غور سے دیکھ رہا تھا بے اختیار اس کا جی چاہا باب کی چھایا کھول کر اس کے بال بکھیر ڈالے اور دیکھے وہ کیسی لگتی ہے۔

”راہجہ سے زیادہ لمبے ہیں۔“ اس نے لہجہ بے تاثری رکھا تھا۔  
”معلوم نہیں، میں نے تو کبھی انہیں ہاتھوں سے چھو کر بھی نہیں دیکھا۔“

”اف اس کا دل دھڑک اٹھا۔“ تو تمہیں منع کس نے کیا ہے، تم حق رکھتے ہو آؤ مگر تم نے سارے حق راہجہ کے لیے سنبھال کر رکھے ہیں۔“ وہ صرف سوچ ہی سکی زبان سے کہہ نہیں سکی۔

”باب تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔“ اس سوال پر اس نے ٹھکڑے کناں ٹکا ہوں سے اے دیکھا۔

”نہیں۔“ وہ ہونٹوں کو بے رحمی سے کچل رہی تھی سبکدین کا جی چاہا اسے ایسا کرنے سے روک دے۔

”کیا کسی نے تم سے محبت کی؟“ ایک نیا حملہ۔

”معلوم نہیں۔“

”کمال ہے تم اتنی زبردست سی لڑکی ہو کسی نے تو تم سے اظہار محبت کیا ہوگا۔“ وہ جرح کر رہا تھا۔

”میں اتنے ماہ سے آپ کے ساتھ ہوں آپ نے کبھی مجھ سے اظہار محبت کیا ہے، نہیں ہاں اس لیے کہ میں شاید ترس اور رحم کے قابل

ہوں۔“ وہ خود اذیتی سے بولی۔

”کیا تو تھا ایک ہمارا گریڈ ہو تو۔“ وہ شری لہجے میں بولا۔

”اظہار محبت یا تفتیش۔“ اس نے تڑخ کر پوچھا۔

دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے پائی کے ہاں سے میاں کا باوا آیا تو اسے وہ میڈیکل رپورٹس بھی یاد آ گئیں جواز حاکمی ماہ سے وہیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اٹھ کر انیس شولڈر بیک میں ٹھونسا جب وہ وہاں پہنچی تو بے اختیار ماضی اس کے ذہن میں ابھرنے لگا جب وہ چھوٹی تھی تو امی میاں کے روز اسے سائٹ کا چوڑی دار پانچامہ اور سفید ٹشو کا کرتا پہنا تیں ہاتھوں میں موہے کے سفید کچھرے ہوتے وہ کھل آپی کے ساتھ مل کر خوش الحانی سے پڑھتی۔

ڈاؤن الوئی مئی کو درودوں کے بار

پہنوپہنونی مئی درودوں کے بار

پھر جب وہ بانی سکول میں آئی تو قصیدہ بردہ شریف اسے پورا زبان یاد ہو چکا تھا اس کی آواز میں اتنا سوز و گداز ہوتا کہ سننے والوں کی آنکھیں بھیگ جاتیں آج بھی مائیک سب سے پہلے اس کے حوالے کیا گیا۔ ہلا

ہر طرف ایک مقدس سی خاموشی طاری تھی نعت پڑھتے ہوئے وہ پوری طرح اس ماحول میں غرق تھی آخر میں تائی ماں نے ہمیشہ کی طرح دعا کی اور کہا کہ ہمیں قیہوں کے حقوق کی مجاہدہ کرنی چاہیے ان کا مال ظلم و زبردستی سے نہیں کھانا چاہیے قیہوں کا مال کھانا جہنم کی آگ پیٹ میں بھرنے کے مترادف ہے وہ قرآن وحدیث کے حوالے دے رہی تھیں۔

باب شان کے ساتھ واپس آگئی۔

آج وہ کتنے میسے بعد جائے نماز پر کھڑی ہوئی تھی جب وہ اللہ سے ناراض ہوتی یا کسی سے جھوٹ بول لیتی تو نماز پڑھنا چھوڑ دیتی تھی آج وہ بارگاہ الہی میں کھڑی ہوتے ہوئے بہت شرمندہ تھی وہ کیوں اس سے آزمائش کے موقع پر ناراض ہو گئی تھی جھوٹ نہ بولنے کے باوجود کیوں اتنا عرصہ اس کی قربت سے خود کو محروم رکھا کتنی بڑی سزا تھی یہ، وہ تو الحمد سے والناس تک پیاری پیار تھا محبت ہی محبت تھا دعا مانگنے سے اس کے اور بندے کے درمیان رابطہ رہتا ہے دعا مانگنے چھوٹی پھیلائے کے بعد اپنے آنسو اس کی رحمت کے حوالے کرنے کے بعد انسان سمجھتا ہے کہ پہلے وہ ایک چھوٹی سی ندی تھا جواب ایک بحر بیکراں میں شامل ہو گئی ہے وہ ندی ہی ندی تھی۔ بحر بیکراں میں شامل ہونے سے محروم تھی کتنی سببوں تھی وہ کتنی ٹھنڈی تھی وہ اس نے ڈراما آزما کیا لیا اس نے پیٹھ سی موڑ لی۔

"آپنے رب کو مٹائے" کسی نے دل کے اندر سے سرگوشی کی۔

"اللہ میرے پیارے اللہ میرے طرف دیکھتاں میں خالی چھوٹی لیے بیٹھی ہوں مجھے سب نے راندہ و درگاہ قرار دے دیا ہے کیا تو بھی میرے ساتھ ایسا کرے گا پھر میں کس در پہ جاؤں گی۔"

وہ جائے نماز پہ سرخ رہی تھی۔

ہجوم غم سے جس دم آدمی گھبرا سا جاتا ہے۔

تو ایسے میں اسے آواز پر قابو نہیں رہتا۔

وہ اتنے زور سے فریاد کرتا چٹخا اور ٹپکتا ہے کہ جیسے وہ زمیں پر اور خدا ہوا سانوں پر مگر احساس بھی ہوتا ہے کہ اس کی چیخ رکنے سے پہلے ہی

خدا کچھ اس قدر نزدیک سے اور اس قدر رحمت بھری مکان سے اس کی چھٹتا اور اس کی بات سنتا ہے کہ فریادی کو اپنی پہنچ کی شدت صدا کی بے یقینی پر ندامت سی ہونے لگتی ہے۔

اسے جدے میں پڑے پڑے محسوس ہوا جیسے وہ نیند میں چلی گئی ہے اور خواب دیکھ رہی ہے تائی رقیہ ٹایا، چچا، چچی آمنہ چچی رفعت افشاں غبار کی شانی جنید، فہد سب زنجیروں میں بندھے اس کے سامنے کھڑے ہیں پس منظر میں آگ جل رہی ہے۔ وہ ہڑبڑا کر خود بخود جاگی تھی تمام جسم پسینے کی حدیں توڑنے کو ہے قرار تھا ایک زوردار سسکی اس کے لیوں سے خارج ہوئی پھر تودر یا جاری ہو گیا دل موسم ہو گیا۔

”اللہ اچھے اللہ بس اور کچھ نہیں چاہیے اپنی شفقت بھری آغوش میں چھپا لو میری جلتی تڑپتی روح کو سکون بخش دو“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی پھر اسے اپنی آواز پر کوئی قابو نہ رہا لگ رہا تھا ساری کائنات اس کے ساتھ رو رہی ہے تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر ایک نظر کرم کی بھیک مانگ رہی ہے۔

”اللہ میرے اچھے اللہ میرے پیارے اللہ۔“ ہچکیوں سسکیوں آہوں کے درمیان روتے ہوئے وہ جگ جگ کر کھرا کر رہی تھی جائے نماز پر دوہری طرح سرخ رخی تھی بے یقینی کو اندیشہ ہوا کہیں وہ خود کو زخمی نہ کر لے اس نے آہستگی سے اے چھو اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بے یقینی نے اسے زبردستی کھڑا کیا۔

”ربا ب اللہ نے سن لی ہے۔“ وہ بولا رعب الہی سے لرزیدہ رباب کو اس نے بمشکل تمام قابو کیا اور اندر لایا اس نے کئی بار اسے آواز دی پر وہ ہوش میں ہوتی تو سنٹی تمام رات وہ اس کے سینے سے لگی سسکتی رہی۔

”اچھے اللہ پیارے اللہ۔“ بے یقینی کو کسی بھی حسرت غمی کی جرأت نہیں ہوئی۔

فہد افشاں اور خمار تینوں کی شادیاں ساتھ ہو رہی تھیں کل واپس آ چکی تھی اب تو اسے وی آئی پی ٹریٹ منٹ مل رہا تھا رباب ایک ہفتہ پہلے ہی رہنے کے لیے آ چکی تھی محل بھی تنج یادیں بھلائے ہر کام میں پیش پیش تھی اعتقاد نے اسے اتنی محبتیں دی تھیں کہ وہ تمام کڑواہٹ کو پی گئی تھی افشاں اور خمار کی رخصتی کے روز فہد کی بارات تھی۔ پورا گھر جھلک کر رہا تھا بجل رسٹ اور براؤن کنٹر اس کے بپتھے چولی میں ہمیشہ کی طرح خوبصورت لگ رہی تھی ہاں رباب بہت اداس اداس تھی اس نے پوچھا تو وہ چل گئی آج افشاں اور خمار کی سسرال سے مہندی آئی تھی گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا بیرون ملک سے آئے رشتہ داروں کو ٹیسٹ روڑ میں ٹھہرایا گیا تھا رباب نے دیکھا کہ کئی بھی شادی میں آئی ہوئی ہے اس کے دل میں ایک منظر کانٹنے کی طرح چھبھا ہوا تھا جب اس نے لگی کو اس کے بھائی کے ساتھ دیکھا تھا وہ اس کے پاس پہنچی گئی اور سوال پوچھا۔

”کیا جنید خاوا اور شانی آپ کے بھائی ہیں۔“

”سوئی تم بہت بے وقوف ہو، مطلب کے وقت گدھے کو بھی باپ بتایا جاسکتا ہے ویسے میرا ان تینوں کے ساتھ خون کا کوئی رشتہ بھی نہیں ہے۔“ وہ مسکرائی رباب کی تسلی ہوئی وہ پلٹی تو اس نے دیکھا بے یقینی گہری لگا ہوں سے لگی کو دیکھ رہا تھا وہ بھی وہاں امدانہ سے اس کی طرف بڑھی۔

”بائے آفسر آپ نے تو ہمیں خدمت کا موقع ہی نہیں دیا۔“ وہ سنی خیز انداز میں مسکرائی رہا باب ستون کی اوٹ میں ہو گئی پہ نہیں اس نے

کیا جواب دیا۔

”آپ جیسے پیڈم فی شک آفسر کے لیے تو جان بھی قربان ہے۔“ وداک ادا سے جھکی تو اس کی ساڑھی کا سارا پلڑ زمین پر آ گیا۔  
 ”ویسے حیرت ہے آپ نے رہا باب جیسی بے وقوف لڑکی سے شادی کر لی کیا ہم قہانے میں آپ کو نظر نہیں آئے تھے؟“ وہ ہنسی سبکتین آگے  
 بڑھ گیا تھا رہا باب نے دیکھا چچی رعت اور چچی آمنہ سبکتین کی راہوں میں بھی چھی چھی جا رہی ہیں ٹائی رقیہ بھی پیچھے نہیں رہی تھیں۔ اسے یہ سب معنوی  
 سا لگ رہا تھا جیسے در پردہ باب کوئی اور ہو مقرر کوئی اور ہو عدنان بھی آیا نہ تھا رہا باب نے اسے نظر انداز کر دیا تھا وہ خود ہی اس کے پاس آ گیا تھا۔  
 ”بہت خوشی ہوئی سبکتین بھائی کی حقیقت جان کر اب ہم کو کوئی افسوس نہیں ہے سب غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔“

اس نے پہلی بات ہی یہ کہ رہا باب انگوٹھے سے زمین کھرچنے کی ناکام کوشش کرتی رہی ہر کوئی سبکتین کی تعریف کر رہا تھا اس کی حقیقت  
 جان کر خوش ہو رہا تھا مگر رہا باب خوش نہیں تھی رنگ و خوشبو کی یہ تعریف بھی اس کے بجھے بجھے دل کو زندہ نہیں کر سکی تھی دیواروں میں نصب اسمبلی فائررز  
 سے بلند آواز میں گانے بج رہے تھے اس نے دیکھا کل آپنی سب لڑکیوں کے درمیان بیٹھی نالیاں بجا بجا کر جا رہی ہیں ان کا چہرہ کتنا بے فکر اور ہر رونق  
 قہاشن اس کی طرح فہر ریحان، احسان، سبکتین اور دوسرے لڑکے اپنی ٹولیاں بٹائے خوش و خرم سے گن گنٹے ہوئے تھے کسی نے کیسٹ بدل دی تھی  
 بار بار ایک ہی گانا نشر ہو رہا تھا عریضہ کسی سے کہہ رہی تھی کہ کیسٹ بدل کر لگاؤ۔

انشاں اور خمار بھی روایتی شرم دیا بھلائے سب لڑکیوں کا ساتھ دے رہی تھیں ایک وہی بے چین تھی جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ کافی دیر ہو گئی  
 تھی ابھی تک انشاں خمار کی سسرال والے نہیں آئے تھے لڑکیوں میں بے چینی پھیل رہی تھی وہ گلاب کی پتیوں کی خستریاں اٹھائے استقبال کے لیے  
 تیار کھڑی تھیں تانیا نے فون کروایا جب وہ فون کر کے باہر آئے تو ان کے چہرے پر اندرون فی خلفشار سے لکیریں سی پڑی ہوئی تھیں وہ آمنہ رعت اسرار  
 اور واد کو اندر لے گئے اتنے میں کسی نے بتایا کہ گیٹ پر ایک گاڑی آ کر رکھی ہے جس میں انشاں اور خمار کے دو بھائی اور ان کے والدین ہیں سب ان  
 دونوں کے سر ہو گئیں کہ تمہاری سسرال تو بڑی ایڈوانس ہے۔ شان اندر سے سب کو بلالایا تائی چچی بچا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں تب وہ  
 دونوں لڑکے آگے بڑھے۔ ”ہمیں اس شادی سے انکار ہے“ پوری محفل میں سناٹا چھا گیا سب ہمت تن گوش ہو گئے۔

بشیر اور ابرار تکی سے بول رہے تھے۔ ”یہ دیکھیں اپنی بیٹیوں کے کارنامے۔“ ابرار کے والدین نے دو کاغذ کے صفحے اسرار کی طرف  
 بڑھائے تب رہا باب نے دیکھا وہی میڈیکل رپورٹس ہیں جو اس نے تائی کو دی تھیں اس نے تو انہیں پڑھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی ہر کوئی دلچسپی سے  
 ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ”اپنی بیٹیوں پر لٹاؤ رکھا کریں یہ کئی عرف بہار کے بسائے گئے عشرت کدے میں بنتے میں تین ہار جاتی ہیں آپ کی اطلاع  
 کے لیے عرض کر دیں کہ کئی اور اس کے تمام ساتھی سی آئی اے کی نظروں میں آ گئے ہیں کیونکہ وہ ملک دشمن جاسوس ہیں۔“ بشیر کے والد بولے پھر وہ  
 تمام رشتے توڑنے کا اعلان کر کے چلے گئے تسخیرانہ خطر یہ لگا ہوا تھا انشاں اور خمار پر جھی ہوئی تھیں سرگوشیوں کا سیلاب آمنہ پڑا تھا۔ ”تو بہ تو بہ تکی شریف  
 بنتی تھیں اپنی چچا زاد پر انعام لگاتی تھیں دیکھا کسی پہ جموئی تہمت لگانے کا انجام! بھری محفل میں بے عزت ہو گئی ہیں اور ماں باپ کو تو دیکھو چسہ بنانے

میں لیکن میں معلوم ہی نہیں اپنی لادیلیوں کی سرگرمیاں ایسی رسوائے زمانہ لڑکیوں کو تو بچ چکا ہے پر لگانا چاہیے۔“

اسرار، احمد آمنہ اور رفعت تو صدے اور تہ سٹ سے بت بنے ہوئے تھے اتنے میں ایرج اور اس کے گھر والے آگئے ایرج نے انگوٹھی اتار کر فہد کے منہ پر دے ماری۔ ”معلوم ہی نہیں تھا کہ تم ایسی مشہور بہنوں کے بھائی ہو ان سے اچھی تمہاری کزن ہیں جو میرے سب کچھ سہ گئی اس کے باوجود بھی تمہاری ماں اور آنتیوں نے اسے جھٹ نہیں لینے دیا ہر آئے گئے سے جھوٹے قصے نمک مرچ لگا کر بیان کرتی رہیں کسی کا مبرا اتنا مت آزماؤ کہ آسمان کا قبر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے تو ان تیسوں کو بھی نہیں بخشا حرم سے شوگر مل فہد کے حوالے کر دی کہ یہ تمہاری ہے خدا کے لیے ڈریں اس سے جو سب کچھ دیکھ رہا ہے آپ نے اتنی رسوائیاں سمیٹ لی ہیں کہ سات پشتوں تک کسی کو منہ نہ دکھا سکیں گے۔“ ایرج نفرت سے بول رہی تھی۔ پھر وہ بھی چلی گئی، یوں لگ رہا تھا جیسے روزِ محشر ہے اور عدالت لگی ہوئی ہے سب اقسام کی زد میں تھے اسرار نے افشاں کو بالوں سے پکڑا اور واحد نے خمار کو قاپو کیا۔

”اور جس نے جو کچھ کیا ہو گا وہ خوب جان لے گا۔“

رباب جیسے کسی خواب لے جا گئی وہ ان کے پیچھے بھاگی تو فہد نے اسے پکڑ لیا۔ ”رباب! نہیں اپنی سزا بھگتتے دو تم کتنی معصوم اور شفاف تھیں میں جان ہی نہیں سکا جو اپنی بہن کے سائے پر نظر رکھتی ہو خود اس کی نظر کیسے بہک سکتی ہے، دیکھیں یہ سب، رباب شفاف ہے آئینہ ہے جس پر گرد نہیں ہے۔“ وہ جیسے پاگل ہو گیا تھا ایک ایک کے پاس اسے لے کر جا رہا تھا۔ ”فہد بھائی بس کریں بس کریں۔“ وہ اس سے اپنا بازو چھڑانا چاہتی تھی۔

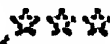
”رباب تم مجھے ایسے ہی لہو لہان کر دو جیسے میں نے تمہیں کیا تھا میں گناہگار ہوں مجرم ہوں۔“

رباب یکدم بے جان ہو گئی تھی اسے وہ خواب یاد آ گیا وہ گھاس پہ پٹختی چلی گئی تھی۔ ”اللہ میرے اللہ، بس کرو میرے اچھے اللہ، مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔“ وہ چہرہ چھپائے بچکیاں لے رہی تھی۔

دوسری صبح قیامت اپنے جلو میں سیٹ کر لائی جس اخبار سے اشتہارات کے معاملے میں کمال برادرز کی کھٹ پٹ چل رہی تھی انہوں نے بعد تصویر افشاں اور خمار کا اسکینڈل چھاپا تھا کی جیسی رسوائے زمانہ لڑکی سے ان کی دوستی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا کی عرف بہار کے بارے میں بڑی سنسنی خیز خبریں تھیں، مقامی رپورٹر کے مطابق کی عرف بہار قلموں میں کام کرنے کے چکر میں لاہور سے آئی تھی قلموں میں تو اسے چھوٹے موٹے رول ملے ایک قسم ساز نے اسے خاور اور جنید سے ملا دیا وہ مستقل ان کے پاس رہنے لگی خاور اور جنید اپنی وجہ کے بلیک میلر تھے ان کے پاس قلموں کا ذخیرہ تھا جو بیرون ملک سے اسمگل ہو کر آتا تھا کی کالج سٹوڈنٹس کو پھانس کر اپنے بٹلے پر لاتی تھی جہاں بھولے بھالے معصوم ذہنوں میں زہر بھرا جاتا تھا یہ زہر نشہ منشیات سے زیادہ خطرناک تھا یہ زہر نسلوں کو بھی تباہ کر رہا تھا۔ رباب خوش قسمت تھی جو بچ گئی تھی حالانکہ وہ گروہ کے نئے رکن شانی کو بری طرح بھائی تھی۔ کی کی کارروائیاں دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں وہ پولیس کی اکا ہوں میں آگئی تھی جنید اور خاور شانی کے ساتھ پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے بہت سارے شرفاء کا پول کھل گیا تھا اسرار اور واحد نے افشاں خمار کو گرفتاری سے بچانے کے لیے گولی مار دی تھی اور خود جیل میں تھے دونوں کی زندگی

باقی مٹی مٹی تھیں اور جیل کی سٹانخوں کے پیچھے تھیں لگی کے ساتھ، موسو عیشہ اور عطیہ کے شوہر اپنی اپنی بیویوں کو میکے چھوڑ گئے تھے انہیں بھی بیویوں کے ماضی پر اعتبار نہیں رہا تھا قیہ رقت اور آمنہ خوب لڑ رہی تھیں ایک دوسرے پر انزاع لگا رہی تھیں تاپا اب چپ چپ سے ہو گئے تھے فہد نے فیکٹری نکل اور رہا ب کے حوالے کر دی تھی اور خود غائب ہو گیا تھا تائی رقیہ نیم پاگل ہو گئی تھیں۔

کہتے ہیں جو پیرہنا جائز ذرائع سے کسی کا حق مار کر یا دھوکہ دہی کے ذریعے حاصل کیا جائے وہ حرام ہوتا ہے اور یہ حرام پیرہنا جب غذا بن کر معدے میں اترتا ہے تو رنگ دکھا کر رہتا ہے جس اولاد کے لیے تاپا بچانے قیم و پیرہن بھتیجیوں کا حق مارا تھا وہی اولاد بے راہ و ٹکی تھی یعنی حرام پیرہن رنگ لاکر رہا تھا دس سال پہلے جس فیکٹری سے انہوں نے اولاد کے لیے رزق کا ذریعہ پیدا کیا تھا دس سال بعد اس رزق کا حساب بدترین طریقے سے پورا ہوا تھا اسلام نے ایسے ہی تو حلال رزق تلاش کرنے کی تلقین نہیں فرمائی ہے۔ دو تین سال سے زائد کمال، اسرار اور واحد کو فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع میں پھونٹ پڑی تھی سلوک ختم ہو گیا تھا آمنہ اور رقت کے دل بھی برے ہو گئے تھے کہ بھائی اور بھائی اکیلے غیش کر رہے ہیں آمنہ اور رقت نے رقیہ کو دھمکی دی کہ وہ رہا ب کے شوہر کو بتا دیں گی کہ تم لوگ اس کی فیکٹری دباؤ بیٹھے ہو قیہ کو آگ لگ گئی تھی بھل کی شادی سے پہلے سبکدوشی نے انہیں افشاں اور خوار کر کے کر تو توں کا ثبوت پیش کیا جس کی وجہ سے انہوں نے احتشام کے رشتے کی حمایت کی، تائی وہی ثبوت رہا ب کے ذریعے قبضے میں لیتا چاہتی تھیں۔ رہا ب کو علم ہی نہیں تھا کہ پیچھے کیا کہانی ہے اس نے تائی کو میڈیکل رپورٹس لا دیں جو انہوں نے افشاں خوار کی سرال بھجوا دیں جو آگ انہوں نے لگا ئی خود بھی اس میں بھسم ہو گئیں رہا ب کی بے گناہی کا ثبوت یوں بھرے گھر میں ثابت ہوا تھا۔



”رہا ب جان ان سب واقعات کو خوفناک خواب سمجھ کر بھلا دیا یہ اسی طرح ہوتا تھا تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے اللہ نے ان سے اسی قدر بدلہ لیا ہے جتنی انہوں نے ہمارے ساتھ برائیاں کی تھیں یہ ہمارے ممبر کا انعام ہے کاش اسی آج زندہ ہوتیں تو ہم دونوں کو ہتھ پتے دیکھ کر کتنا خوش ہوتیں، رہا ب میں تو اپنے تمام زخم بھلا کر سب کو معاف کر چکی تھی میں نے تو انہیں کبھی بددعا بھی نہیں دی تھی اللہ بڑا منصف ہے جو اس نے چاہا وہی ہوا اب تم خود کو سنبھالو اچھا ایسا کرو میرے گھر چلو امی جی بہت خوش ہوں گی۔“ اس نے اپنی ساس کا نام لیا احتشام نے بھی پر زور تائید کی۔

”جاؤ چند ایک میں کپڑے ڈالو کیوں سبکدوشی اجازت ہے۔“

وہ پھر اس کی طرف شرارت سے گھوما تو وہ اسے خشکیں لگا ہوں سے گھورنے لگا۔

”بھول گئے ہو میرے احسانات کو۔“ اس نے احتشام کو یاد دلایا تو وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر یاد کرنے کی اداکاری کرنے لگا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے وہ رہا ب کو لے گئے وہ بے بسی سے ہونٹ چبانے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکا۔

رہا ب گزشتہ تین چار روز سے اس قدر اداس و دیران تھی کہ سبکدوشی نے دل میں خود کو ہزار باگالیاں دی تھیں وہ نازک سی لڑکی پہلے ہی دکھوں کے کود گراں تلے دبی ہوئی تھی اس نے راہد کا شوشہ چھوڑ کر اسے گہری کھائی میں پھینک دیا تھا جیسے۔ اب اس کا ارادہ تھا رہا ب کو اس شرارت کی حقیقت بتا کر معافی مانگ لے گا مگر وہ تو اب چلی گئی تھی۔

امی جی واقعی رباب سے مل کر بہت خوش ہوئیں مسز جواد بھی آگئیں اس کی آمد کی خبر سن کر۔ وہ سب اسے گھیرے بیٹھے تھے احتشام اسے اپنی دلچسپ باتوں سے ہنس رہا تھا ماحول بہت روشن اور کھٹا کھٹا لگ رہا تھا دوسرے روز وہ اسے فیکٹری لے گیا کھل بھی اس کے ساتھ تھی قانونی کارروائی کے بعد دونوں بیٹھیں اس کی مالک تھیں رباب نے پوری فیکٹری گھوم کر دیکھی احتشام نے اس کے کارکنوں سے تعارف کرایا اور آخر میں اسے آفس میں لے آیا۔

”رباب اسد بنگلین یہ ہے آپ کی شاہی کرسی“ وہ اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”احتشام بھائی مجھے اس کی چاہ نہیں ہے بلکہ مجھے کبھی بھی دولت کی چاہ نہیں رہی، امی نے ہماری پرورش ان ذریعہ اصولوں پر کی کہ ہمیں قناعت و سادگی ہی پسند ہے کیوں کل آئی۔“ وہ بین کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”ہاں احتشام یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔“

”رباب تم مانویا نہ مانوں یہ فیکٹری تم دونوں کی ہے۔“ وہ ایک لخت مسکراہٹ ہو گیا۔

”آئی کیوں نہ فیکٹری سے حاصل ہونے والی آمدنی سے ہم یتیم اور بے سہارا بچوں کے لیے ایک گھر بنائیں فیکٹری بھی چلتی رہے گی اور بچوں کو ایک گوشہ عافیت بھی میسر آجائے گا۔“ رباب نے تجویز پیش کی کل نے اتفاق کیا اس کی بات سے کیونکہ وہ جان سکتی تھی یہ سب رباب کے الاشہور میں دبی خواہشوں کا نتیجہ ہے وہ گھر لوٹے تو بنگلین ان کا منتظر تھا کل اور احتشام شوق سے منسے رباب نے کوئی نوٹس نہیں لیا وہ اسے لینے آیا تو اور اسے آٹا ہی پڑا آج وہ رباب کے مسئلے پر کل کر بات کرنا چاہتی تھی وہ اسی پہ گھر جانے کے بجائے وہ گاڑی ادھر ادھر گھماتا رہا اور پھر اسے ایک نئی اور انجام جگہ لے آیا گیٹ کے باہر دیوار کے ساتھ لگی تختی پر بڑے بڑے سہرے حروف میں ”بنگلین دلا“ لکھا ہوا تھا وہ الجھتی اگر یہ گھر اس کا تھا تو اسے یہاں رباب کو لانا چاہیے تھا وہ گاڑی پورچ میں لے گیا۔

”یہ ہے میرا غریب خانہ جو چپانے میرے، میرے بچوں اور میری ہونے والی بیوی کے لیے بنوایا تھا۔“ وہ اسے گھر دکھاتے ہوئے بتا رہا تھا رباب نے اسے شاندار اور ویل ڈیکوریشن گھر کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا ہو گا اتنا خوبصورت اور وسیع لان تھا مصنوعی نوارے لگے ہوئے تھے مختلف پھولوں کے مینے پودے باہر سے منگوا کر لگائے گئے تھے سبز گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا یہ جگہ مضائقہ سے ذرا بٹ کر تھی اس لیے ایک سکون کا سا احساس ہوا تھا وہ اسے بیڈروم دکھانے لے گیا بالکل خوابوں جیسا کہ وہ تھا قیمتی جینتنگز سرسراتے پردے تھیں ڈیکوریشن دیہر قالین ہر چیز امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

”اچھا لگا کمرہ۔“ اس نے پوچھا۔

”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں جس نے رہنا ہے اس سے پوچھیں۔“ وہ سرد لہجہ میں بولی۔

”اور کس نے رہنا ہے؟“

وہ عجب رباب کو بھول رہا تھا رباب کو رونا آ رہا تھا یہ شخص اس کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اب شاید یہ کھیل منطقی انجام کے قریب تھا۔

”واپس چلیں کافی دیر ہو گئی ہے۔“ رباب نے رسٹ وایج پر ٹکا دوڑائی۔

”ہم اس گھر میں ہمیشہ کے لیے شفٹ ہو گئے ہیں۔“ وہ حڑے سے بولا جبکہ وہ لفظ ”ہم“ پر نئے سرے سے تڑپا۔

”سبکدوش گیلانی اب فیصلہ کر ہی دیں آپ راجہ سے کب شادی کر رہے ہیں مجھے بتادیں تاکہ میں اپنی رہائش کا بندوبست کر سکوں۔“ اس

نے دل کو سنبھالتے ہوئے بڑی بہادری سے پوچھا۔

”میرا فیصلہ یہ ہے کہ تمہیں دل میں ہمیشہ کے لیے رہائش عطا کر دی جائے۔“ وہ سچے دل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

”میں سیریس ہوں۔“ اس کی آواز بھڑائی۔

”تو مذاق کون کا کر رہا ہے۔“ وہ اس کے قریب چلا آیا۔

”دیکھیں سبکدوش یان باتوں کا وقت نہیں ہے میں بہادری سے فیصلے کی ختھر ہوں۔“

”ہوں مجھے بھی پتہ ہے یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے بلکہ...“ وہ خوب صورتی سے ہنسا۔

”رہاب راجہ کو میں نے کبھی بھی نہیں چاہا اس کی تو کب کی شادی ہو چکی ہے وہ اب دو بچوں کی ماں ہے میں نے صرف تمہارے دل کا حال جاننے کے لیے راجہ کا نام لیا تھا جو خاصا کارگر ہوا، میں نے تو اول و آخر ایک لڑکی کو چاہا ہے جس کا نام رہاب ہے اور جو اس گھر میں قدم رکھے ہی مجھے شکار کرتی تھی۔“ وہ اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

”پلیز“ سبکدوش لیوی لون“ اس انکشاف نے اس نے مذاق کیا تھا اسے حیرت و خوشی سے دوچار کیا تھا اور اسے سمجھنے کے لیے وقت چاہیے تھا کہ وہ بھی اس کے اس جان لیوا مذاق کا بھرپور جواب دے سکے۔

”قلب و نظر شکار کر بوش و خرد شکار کر۔“ وہ اس کے سارے بال بکھرا دیا۔

”اب بالکل بھی نہیں... تم نے بہت امتحان لے لیا میرا۔“ اس نے احتجاج کرتی روٹھی روٹھی رہاب کو اپنے کمرے میں لا کر سی دم لیا جو

اس کی جراتوں پر لالہ بھسوکا ہو رہی تھی۔

”پلیز سبکدوش۔“ وہ رو پڑی۔

”ہاں کہہ دو کہ میں بے رحم ہوں مطلبی ہوں جھوٹے ہوں اور یہ جو میں نے ابھی تم سے کہا ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔“ وہ خفے سے سرخ ہو گیا۔

”میں یہ کب کہہ رہی ہوں دراصل بات یہ ہے کہ میں تو قبیح نہیں کر پار ہی تھی کہ راجہ کا وجود نہیں ہے۔“ اس نے وضاحت کی۔

”تو پھر جو مس انڈر اسٹینڈنگ ہے اسے ختم کر دو کیونکہ میری طاقت رخصت ہوتی جا رہی ہے۔“ وہ شوخ ہوا۔

”تمہیں پتہ ہے بہت عرصہ پہلے میں نے تم سے اظہار محبت کیا تھا اور وہ سچ تھا، رہاب تمہارا سب سے زیادہ شرمندہ کرتا رہا ہے مجھے اس

طرح نہیں کرنا چاہیے تھا مگر یقین کر دو وہ وی ایس پی سبکدوش گیلانی نہیں صرف سبکدوش تھا تمہاری شرم تمہارے گریز نے تمہاری کشش کو اور بھی بڑھا دیا

تھا اور مجھے احساس ہوا تھا کہ مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

رہاب کے دل سے بھاری بوجھ اتر آیا۔ اس نے آسودہ سانس لی سبکدوش نے مگر مگر ہی گہری راز بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔



"ابھی نہیں۔" اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔  
 اگلی صبح وہ جاگا تو اس کے سر بانے پھول اور تہ کیا ہوا کاغذ پڑا تھا۔ سبکیگین نے ایک نظر دیکھ کر کاغذ کھول لیا۔  
 ابھی ٹھہرو

ابھی کچھ دن لگیں گے  
 دھل کی خواہش بنانے میں  
 تمہیں اپنا سمجھنے کے لیے دل کو مٹانے میں  
 ابھی کچھ دن لگیں گے  
 ابھی ہم اپنی اپنی خوشبوؤں کو دل سے مٹے دیں  
 انہیں محسوس کرنے دیں  
 ابھی کچھ دن لگیں گے  
 رشتہ بے نام کو ہم نام کرنے میں  
 کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں

سوسائٹی

ڈاٹ کام

کہیں اٹھار کرنے میں  
 ہمیں اقرار کرنے میں  
 ابھی ٹھہرو  
 ابھی کچھ دن لگیں گے  
 "کتے دن لگیں گے یہ بھی مادیتیں۔" اس نے گلاب اٹھا کر سو گھا۔

سبکیگین ہنس میں تھا سادون کے سینے کا آغاز ہو چکا تھا محکمہ موسمیات نے پیش گوئی کی تھی کہ آج بہت گرج چمک کے ساتھ طوفانی بارش  
 ہونے کی توقع ہے آسمان کالے سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا موسم بڑا خوشگوار ہو رہا تھا سخت گرمی کا زور آج ٹوٹ گیا تھا سبکیگین کے تمام ماتحت بھی  
 موسم کی خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ اے دن جیولرز کی طرف چلا گیا جہاں کل ڈیکتی ہوئی تھی اڑھائی تین گھنٹے ابتدائی کارروائی اور  
 پوچھ گچھ میں لگ گئے جب وہ وہاں سے نکلا تو رات کے اندھیرے میں چھٹا چم بارش برس رہی تھی بے اختیار اس کا جی چاہا اڈ کر رہا باب کے پاس پہنچ  
 جائے اور آج فاصلوں کی تمام دیواریں اس کی ناراضگی کے باوجود بھی گرا دے "مگر نہیں" وہ خود سے بولا اس کا نظم کی صورت میں درخواست نامہ یاد آ  
 گیا تھا کتنا بے بس تھا وہ ہاتھ ہی بندھے ہوئے تھے۔

سبکیگین نے گاڑی تھانے کی طرف موڑ لی۔ تمام کارروائی تفصیلات اس نے فائل میں درج کیں اور مکمل کرنے کے بعد کرسی کی پشت

سے نیک لگالی ابھی صرف دس بجے تھے دل چاہا رہا تھا ادھر ہی رک جائے وقت گزاری کے لیے اس نے اخبار اٹھا لیا۔ صبح کا اخبار جو چائے کے دھبوں سے کہیں کہیں مٹا ہوا لگ رہا تھا ایک آرٹیکل کے اختتامی نوٹ اور فیض احمد فیض کی نظم نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ لکھا تھا کہ۔

”ماں باپ کی موجودگی میں بچے ہیروں سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں کیونکہ ان کے سروں پر مٹا کا سایہ ہوتا ہے والدین میں سے کسی ایک کی بھی موت کے بعد یہ لعل و گوہر ہیرے پتھر سے گئے گزرے ہو جاتے ہیں ان نوے شیشوں کا کوئی میسا نہیں ہوتا کیونکہ کرچیاں چنے سے اپنے ہاتھ زخم زخم ہو جاتے ہیں اور کون ہے جو اپنے ہاتھ زخمی کر لے کون ہے جو ان کے زخموں کو سینے؟“

شیشوں کا میسا کوئی نہیں

موتی ہو کہ شیشہ جام ہو کہ در

جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا

کب اشکوں سے جز سکتا ہے

تم تاحق نکلے جن جن کر

داس میں چھپائے بیٹھے ہو

کیوں آس لگائے جیسے ہو

یہ ساغر شیشے لعل و گہر

سالم ہوں تو قیمت پاتے ہیں

یوں نکلے نکلے ہوں تو فضا

چھپے ہیں لبور لو اتے ہیں

# سوسائٹی

## راٹ کام

”بہت خوب“ اس نے داد دی کس خوبصورتی سے قیم بچوں کو نوے شیشوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس نے لکھنے والے کا نام تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ”رہاب اسد کمال۔“ آف اس کا دل ہی جیسے دھڑکنا بھول گیا بجلی کڑکی تو ذہن کے بند در پہ کھل گئے وہ فوراً بھاگتا ہوا اپنی گاڑی کے پاس پہنچا۔ ”رہاب میں تمہیں ٹوٹے نہیں دوں گا۔“

وہ بہت فاسٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا اسے خود پہ بہت فضا آ رہا تھا کہ اسے یہ اہم بات یاد کیوں نہیں رہی تھی حالانکہ کل نے اسے بہت تفصیل سے بتائی تھی اس نے رہاب کے بارش کے خوف کے بارے میں کھل کر اسے بتایا تھا سایہ کا ٹرسٹ کی رائے بتائی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ بارش میں آپ جہاں کہیں بھی ہوں رہاب کے پاس پہنچ جائیں اسے اکیلا مت چھوڑیں۔

بارش کی وجہ سے ماحول دھندلا لگ رہا تھا بادل پوری قوت سے گرج رہے تھے۔ سبکدھن نے ٹیل دی کوئی رد عمل نہیں ہوا تا چار وہ دیوار پھلانگ گیا وہ بے تابی سے اسے آوازیں دے رہا تھا ڈھونڈ رہا تھا پھر اس نے دیکھا وہ زمین پر ہوش و خرد سے بیگانہ پڑی ہوئی ہے منہ اب بھی خوفزدہ

اعزاز میں کھلا ہوا تھا۔ "رہاب" اس نے زور زور سے اسے بلایا اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی وہ اسے دیوانوں کی طرح بھنجوڑنے لگا اب وہ ادھر ادھر سرخ رہی تھی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں سامنے سبکدوشی جیسا مضبوط سہارا تھا وہ بے تاب بچے کی مانند اس سے لپٹ گئی سبکدوشی کے اندر بگولے سے اٹھنے نکلے وہ درمی طرح کانپ رہی تھی ہونٹ بار بار کچھ کہنے کی کوشش میں ساکت ہو رہے تھے ابھی کچھ گھنٹے پیشتر وہ بھی تو یہی چاہ رہا تھا کہ سب قاصد مل جائیں مگر نہیں وہ اٹھ کھڑا اور باب بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی وہ دھڑکن بنی اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی سبکدوشی نے اسے بے دردی سے خود سے علیحدہ کیا۔

"رہاب میرے ساتھ آؤ۔" اس کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔

وہ اس کے ساتھ تھیںٹی باہر آئی تھی پھر اچانک سبکدوشی نے اسے باہر دھکا دے کر دروازہ لاک کر لیا۔  
 "دروازہ کھولیں فارغ ذہن سیک دروازہ کھولیں میں مر جاؤں گی۔" وہ زور زور سے دروازے کو ہل رہی تھی چیخ رہی تھی دردی تھی باہر پہلے سے بھی شدت کے ساتھ بادل گرج رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی اس کی کڑک اعضاءوں پہ کوڑے برساتی محسوس ہو رہی تھیں سبکدوشی کا دل اسے یوں باہر نکال کر خون ہو رہا تھا پر یہ ضروری تھا ایک بار پہلے بھی اس نے باب کو بادلوں، بجلیوں کے آگے بے حال ہونے دیکھا تھا اور اس کا دل چاہا تھا اس کا یہ خوف ختم ہو جائے تقریباً آدھا گھنٹہ وہ دروازہ کھولنے کی فریاد کرتی رہی پر وہ بے حس بن گیا تھا ساتتیس پتھر کر لی تھیں رہاب دروازے کے ساتھ چٹی چٹی ٹپٹی تھی اور پوری کی پوری بھیک چکی تھی وہ دردی تھی بارش اور اس کے آنسوؤں میں فرق نہیں رہا تھا اور سبکدوشی کتنا مستدل بنا ہوا تھا اسے باہر نکال کر بھول گیا تھا نہ جانے وہ اس سے کس بات کا بدلہ لے رہا تھا پر وہ اسے بتا دے گی کہ وہ حام سے لڑکی نہیں ہے وہ رہاب اسد ہے وہ اپنے بہادر بیچا کی بہادری بیٹی ہے اس احساس نے اسے دروازے کی چوکت چھوڑ کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا وہ محن میں پہنچی بادل گرجے اس نے اپنے ہی بازوؤں میں سر چھپا لیا کمر و سادل کا پٹا نازک جسم لرزہ کوئی اندر سے مسلسل صدائیں دے رہا تھا۔  
 "بہت کرو بہادر بنو سب لوگ بارش کو انجوائے کرتے ہیں سبکدوشی ہیں بادلوں کا گرجنا بجلی کا کڑکنا انہیں تھریک لگتا ہے۔ بوندوں کی جھم جھم محبوب کی پائل کی آواز لگتی ہے شاہاں سر اٹھاؤ بہت کرو دیکھو تو سامنے کتنا خوبصورت بھارا ہے، آسمان کتنا اسرار بھرا لگ رہا ہے کتنے رنگ بکھرے ہوئے ہیں، رہاب شاہاں آنکھیں کھولو بوندوں کی موسیقی سننا چاہتی ہو تو آنکھیں کھول۔" اس کے اندر کی آوازیں ناقابل برداشت ہو گئی تھیں۔

"یہ بادل یہ بجلی یہ بارش کسی کو ساتھ لے کر نہیں جائے گی یہ تو قدرت کی خوب صورتیوں کا چھوٹا سا اظہار ہے۔" رہاب نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں سر اٹھایا اسے یوں لگا یہ نظارہ بالکل نیا ہے واقعی اس کے لیے تو نیا ہی تھا جیسے اس نے آج ہی جنم لیا ہو۔ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پہلی بار آج بارش میں کھلے آسمان تلے آئی تھی بارش نے دلکش سی دھند پھیلائی ہوئی تھی بجلی کڑکی سارا ماحول منور ہو گیا پر اب اسے ڈر نہیں لگا اس نے ہاتھ کھول کر پھیلا دیئے بوندوں کی پائل اس کی پتیلی پر پڑ رہی تھی، نہیں بلکہ وہ تو پورے لان میں پڑ رہی تھی یہاں وہاں ہر طرف بوندوں کا شور تھا درخت جھوم رہے تھے پتے تالیاں بجا رہے تھے وہ پہلے بار یہ دنیا دیکھ رہی تھی۔ پورے لان کے چکر دیوانہ وار کاٹ رہی تھی ہنس رہی تھی کھل کھلا رہی تھی سات سالہ رہاب کا ڈر آج کئی سالوں بعد بادلوں اور ہوا کے سنگ بھاگ گیا تھا ادھر ادھر سبکدوشی آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا ضبط شدت سے اس کے

چہرے سے خون چھلکا پڑ رہا تھا جیسے اس نے رباب کو باہر نکال کر جو اٹھایا تھا جس میں ناکامی اور کامیابی کے برابر چانس تھے مگر وہ ناکام ہو گیا تو.....

”نہیں، نہیں۔“ اس نے ہال مٹھیوں میں جکڑ لیے ”اسے کچھ نہیں ہوگا آج اس کا ذرا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔“

”کیا تھا اگر تم بھی خود اس کے ساتھ جاتے؟“ کوئی اندر سے بولا۔

”نہیں یہ مناسب نہ ہوتا۔“ وہ اس کا سہارا پا کر سات سالہ رباب ہی رہتی اور وہ اس سات سالہ رباب کو برسوں پرانے خوف کے حصار سے نکالنا چاہتا تھا وہ کس بے تابی و خوف سے اس کے پاس تحفظ کی تلاش میں آئی تھی اس کے نرم و گدازلس سے ہسٹینس کے اندر بھانپ کر اٹھتے تھے تنگی پکارنے لگی تھی اگر وہ عام سے مرد کی طرح جذبات کی رو میں بہہ جاتا تو اس کی رباب پر ہمیشہ کے لیے نفسیاتی مریضہ کا ٹیگ لگ جاتا اس نے حوصلے و ضبط سے شوریدہ سر بھرے ہوئے دریا پر بند باندھا تھا کتنی بے دردی سے اس پھول جیسے وجود کو الگ کر کے باہر کی خال خالی جھوڑ دیا تھا وہ کیسی دیوانوں کی طرح چلا رہی تھی۔

اب تو کافی دیر ہو گئی تھی کوئی آواز نہیں آئی تھی انجانے خدشات کو رفع کرتے اس نے دروازہ کھولا تھا سامنے حیرتوں کا جہان آباد تھا شہزادی کے جسم کی آخری سوئی بھی نکل چکی تھی اس کا دل چاہا وہ بھی ہنسے مسکرائے بالآخر ادھوری رباب مکمل ہو گئی تھی اسے دیکھنے کے لیے ہسٹینس نے اپنے دل اور امانوں کا خون کیا تھا وہ ہر ایک چیز اور ہر شخص سے اسے عزیز تر جو تھی وہ دوزخ کا جہنم کراس کر کے اس کے پاس پہنچا۔

”دیکھیں کتنی زبردست بارش ہو رہی ہے۔“ رباب نے سرخوشی کے عالم میں بتایا پھر جیسے اسے یاد آ گیا کہ وہ تو اس سے ناراض ہے۔

”میرے ساتھ بات مت کریں۔“ وہ آگے ہو گئی۔

”آئی ایم سوری طوطے بلکہ کیونکہ آج سے تم میرا بویہ سب کچھ تمہارا خوف دور کرنے کے لیے ضروری تھا۔“ وہ مطمئن انداز میں مسکرایا اچانک زور سے بادل گرے اور بجلی کڑکی تو سارا ماحول سفید چمک دار روشنی میں نہا گیا وہ بالکل نہیں ڈری۔

”میرا دل سرے سے ختم ہو گیا ہے میں نے تمہیں باہر نکال کر بیوی غلطی کی۔“ وہ تائیف سے آسمان کو دیکھ رہا تھا پھر وہ اندر چلا آیا بھیجے کپڑے بدلنے لگا وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ رباب اس کے کمرے میں موجود ہے کاسنی بھیجے کپڑوں میں لمبوس سے موٹی گراتی اگرچہ وہ باہر کپڑے اچھی طرح جھٹک کر نچڑ کر اندر داخل ہوئی تھی اس کے باوجود بھی پانی کے قطرے اس کے کپڑوں اور بالوں سے گر رہے تھے بھیجے لباس اس کی رعنائیوں کو چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اس نے دوپٹہ نچڑ کر سلیقے سے شانوں پر پھیلا دیا تھا اس نے ٹائیں چد لیں اس کا بھیجے جیگا حسن دیکھ رہا تھا شعلوں کو ہوا سے رہا تھا وہ بالوں میں مڑ مڑ کر برش کرنے لگا وہ ڈرینگ ٹیبل کے سامنے آگئی مین اس کے آگے۔

”کیا میری شکل بہت بری ہے۔“ اس نے مصومیت سے پوچھا وہ جواب دیئے بغیر گلاس وٹھو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”ہسٹینس۔“ رباب نے اسے شرمیلے نرم لہجے میں پکارا اسے اپنی ساعتوں پر شبہ ہوا تاہم وہ گھوما اس نے لٹا ہوں سے سوال کیا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ ابھی مجھے کچھ دن تگیں گے تو وہ کچھ دن مکمل ہو گئے ہیں۔“ الفاؤ ٹوٹ ٹوٹ کر رباب کے منہ سے نکلے وہ

یعنی تو چاہتا تھا کہ وہ خود اقرار کرے اپنے آپ کو کمتر سمجھنا چھوڑ دے اور ایسا ہی ہوا تھا۔

”کون سے دن مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔“ دو تجاہل عار قانہ سے کام لیتے ہوئے بولا۔

”آپ سمجھ جائیں ناں۔“ ہونت کا نئی انگلیاں مرد رتی وہ سیدھی دل میں اتر گئی اب بھلا وہ اور کیسے کہتی فرط حیا نے زبان پر تالے

وال رکھے تھے۔

”مثلاً کیا میں یہ سمجھ لوں کہ

بارش وصل میں وہ بھی نکھر نکھر کیا ہم بھی نکھر نکھر گئے۔“

اس سوال پاس کی چٹائی بوندوں سے چمکنے لگی۔

”رباب تم بہادر ہو۔“ اس نے انداز بدلایا تو اس نے اثبات میں سر بلایا۔ ”تو پھر مجھے چاہو مجھے دیکھو مجھے سنو۔“ فرمائش ہوئی وہ چلتا اس

کے قریب سامنے ٹھہر گیا۔

”رباب، فہد نے جب تمہیں مارا تھا اور کل کی زبانی مجھے ظلم ہوا تھا تو میرا دل چاہا تھا فہد کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں اس کی صورت کو

نا قابل شناخت بنا دوں میں نے اسی روز وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اتنا پیار کروں گا کہ تم اپنا ہر زخم بھول جاؤ گی، میں تمہارا چارہ گر بنوں گا تمہارے سارے

خوف گرد راہ بنا دوں گا۔“ وہ جذب اوجھائی سے کہہ رہا تھا۔

”آپ بہت اچھے ہیں۔“ وہ غلطی یہی کہہ سکی۔

”اگر آپ احساسات کی زبان سمجھتے ہیں تو میرا دل رواں رواں آپ کا شکر یہ ادا کر رہا ہے۔“ رباب کی نگاہوں سے واضح جذبہ تشکر چمک رہا تھا۔

”پتہ نہیں میں اچھا ہوں یا نہیں، کیونکہ کچھ دیر اور تم ہی مجھے کہو گی سبکدین آپ بہت برے ہیں۔“ وہ شرارت سے ہنسار رباب کی نگاہ چمک

گئی ان شوخ و گستاخ نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا جو جوارقوں کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔

”تمہاری اس ”ابھی نہیں“ کے بعد میں نے خود پر کیسے کیسے نہیں جبر کیا تھا، تم میری دسترس میں میرے اختیار میں تمہیں تمہارا یہ سہانا روپ

کیسے کیسے مہرے ایمان کو ڈگمگا تا تھا اور تم کتنی ظالم بنی ہوئی تھیں آج تم سے تمہاری جھاڑوں کا حساب لیا جائے گا، کتنے مہینے ہو گئے ہیں تمہیں اس گھر

میں آئے ہوئے، سبکدین اس کے قریب ہوا اور دونوں کلاٹیاں تمام کرا سے بے بس کر دیا۔

”ایک سال سے کم۔“ سبکدین کے ارادے اسے خوفزدہ کر گئے۔

”ہوں یا دو اشت ابھی ہے تمہاری تو، ایک سال کا حساب کچھ کم نہیں ہوتا، بڑی شیر خوار تھیں دیکھو گاتمہاری بہادری۔“

”نہیں۔“ رباب نے اسے دیکھا۔

”اب ایک سینڈ بھی نہیں۔“ سبکدین کے بازوؤں کا حصار سخت ہوتا گیا..... اس کی آہنی گرفت سے رباب کی ممکن ہی نہیں تھی اور وہ اس کی اس

خوب صورت قید سے رہائی چاہتی بھی نہیں تھی۔